عرض احوال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

''میراتھن ریس کو فروغ دینا اسلامی اقدار کی دھجیاں بکھیرنے کے مترادف ہے''

صدر مشرف اور ان کے ہمنوا اسلام مخالف قوتوں کا دست و بازو بن کر اگر یہ سمجھ رہے ہیں کہ اسلام اور ملک وقوم کی خدمت ہو رہی ہے تو وہ خام خیالی اور خود فریبی کا شکار ہیں۔ حالانکہ ملک وقوم کی حقیقی خدمت وطنِ عزیز میں اسلام کی جڑوں کو مضبوط کرنے میں ہے۔ یہی حال پنجاب حکومت کا ہے کہ ایک طرف قرآن محل قائم کیے جا رہے ہیں تو دوسری طرف قرآنی تعلیمات کے برعکس صوبے بھر میں مخلوط میراتھن ریس کو فروغ دے کر گویا اسلام کے بخیے اُدھیڑے جا رہے ہیں۔ خواتین کا نیکر یا چست لباس پہن کر سرِعام دوڑ میں شریک ہونا تو دور کی بات اسلام میں خواتین کو گھر کے اندر محرم مَردوں کے سامنے بھی ایسا چست لباس پہننے کی اجازت نہیں دی گئی جس میں عورت کے جسمانی نشیب وفراز نمایاں ہوتے ہوں۔ آنحضورﷺ نے ایسی عورتوں پر لعنت کی ہے جو نہایت باریک یا چست لباس پہن کر مَردوں کے سامنے آتی ہیں' جبکہ مراتھن ریس میں شریک خواتین میں سے بعض نیم برہنہ حالت میں ہوتی ہیں اور باقی نہایت چست لباس میں مَردوں کے شانہ بشانہ دوڑ میں شریک ہوتی ہیں۔ اُمت محمدیہ کی تشکیل اس لیے ہوئی ہے کہ وہ ساری انسانیت تک اللہ کے پیغام کو پہنچائے' لیکن ہماری حکومت نادانی میں نظریہ روشن خیالی اور میراتھن ریس جیسے اقدامات کے ذریعے دشمنانِ اسلام کے کاز کو آگے بڑھا رہی ہے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ بعض دانشور ایسے معاملات کے جواز کے لیے احادیث کی من مانی تاویلات کر رہے ہیں۔ ایسے لوگ دراصل ''خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں۔ ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق'' کا مصداق بن کر اقدارِ دینی کی جڑیں کھود رہے ہیں' جبکہ حکمران اپنے ان اقدامات کو ''روشن خیال اسلام'' کا نام دے رہے ہیں اور اپنی اس روشن خیالی کے لیے علامہ اقبال کا نام استعمال کر رہے ہیں۔

بلاشبہ اقبال دورِ حاضر کے سب سے بڑے روشن خیال اور بہترین ترجمان القرآن تھے' جنہوں نے وقت کے تقاضوں کے مطابق قرآن کا پیغام پیش کیا۔ اقبال نے تو مسلمان خاتون کو یہ درس دیا ہے کہ وہ حضرت فاطمہ ؓ کا اسوہ اختیار کرے اور خود کو زمانے کی نگاہوں سے چھپالے۔ لہٰذا حکمران اگر واقعتاً اسلام کی خدمت کرنا چاہتے ہیں اور اُنہیں اقبال سے عقیدت ہے تو ایسے غیر شرعی معاملات پر فی الفور پابندی عائد کریں۔ ○○

پریس ریلیز **۲۲/اپریل ۲۰۰۵ء**

''سیرتِ نبویؐ کا اصل پیغام انسانیت کو اسلام کے نظامِ رحمت سے متعارف کرانا ہے''

مرکزی ناظم تربیت جناب شاہد اسلم کا مسجد دارالسلام باغ جناح میں خطابِ جمعہ

امریکہ جس نیو ورلڈ آرڈر کو دنیا پر مسلط کرنا چاہتا ہے وہ انسانیت کو غلامی کے شکنجوں میں جکڑنے کی سازش ہے' جبکہ نبی اکرم ﷺ نے دین اسلام کی صورت میں جو ورلڈ آرڈر دیا وہ کائنات کا سب سے بڑا نظامِ رحمت اور کامل عدل وانصاف پر مبنی نظام ہے۔ ماہ ربیع الاوّل کی مناسبت سے سیرتِ نبویؐ کا اصل پیغام یہ ہے کہ دنیا سے ظلم کا خاتمہ کرنے کے لیے انسانیت کو دوبارہ اسلام کے نظامِ رحمت سے متعارف کرایا جائے۔ نیو ورلڈ آرڈر جو بظاہر بڑا خوشنما نظر آتا ہے' دراصل جمہوریت اور روشن خیالی کے پردے میں بے حیائی' بے راہ روی اور سودی نظام جیسے استحصالی ہتھکنڈوں کا مجموعہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ رحمۃ للعالمین بن کر آئے' جس کا مظہر یہ ہے کہ آپؐ نے دنیا کو بتایا کہ پیدائشی طور پر سب انسان برابر ہیں۔ اس کائنات کا اصل مالک اللہ ہے' جبکہ انسان کو یہ چیزیں بطورِ امانت عطا کی گئی ہیں۔ اسی طرح حاکم اعلیٰ صرف اللہ ہے' جبکہ انسان خلیفہ کی حیثیت سے اس دنیا میں احکامِ خداوندی کی تنفیذ کے لیے بھیجا گیا ہے۔ لہٰذا نبی اکرم ﷺ کے اس پیغام کو پوری دنیا تک پہنچانے کے لیے اوّلاً خود اس نظام کو اپنی انفرادی زندگی میں روبہ عمل لانا ہوگا اور پھر پوری دنیا میں اس نظام کے قیام کے لیے جدوجہد کرنا ہوگی۔ ○○

(جاری کردہ: شعبہ نشرواشاعت تنظیم اسلامی پاکستان)

اسلامی معاشرت

شادی بیاہ کی تقریبات میں سنت کے مطابق اصلاح

بانئ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ کا خطاب

مقام: فاران کلب' کراچی' بتاریخ: ۴/اپریل ۲۰۰۴ء

(گزشتہ سے پیوستہ)

خطبۂ نکاح کی تشریح وتوضیح

اس خطبے کے تین حصے ہیں' جن میں سے دو تو مسنون ہیں' جبکہ تیسرے کا اضافہ خود علماء نے کیا ہے۔

حصہ اول کی غرض وغایت: تجدیدِ ایمان

خطبۂ نکاح کا پہلا حصہ ہمارے ایمان کا لبّ لباب' خلاصہ' جڑ اور بنیاد ہے اور اس سے ایمان باللہ اور ایمان بالرسالت کا اعادہ اور تجدید ہوتی ہے۔ یہ کلمات حضورﷺ کے ہر خطبے میں شامل ہوتے تھے' چاہے وہ خطبۂ جمعہ ہو' خطبۂ عیدین ہو' خطبۂ نکاح ہو' کسی لشکر کی روانگی کے وقت خطبہ ہو' یہاں تک کہ قبرستان میں اگر قبر کی تیاری میں کچھ وقت باقی ہوتا تو وہاں بھی آپؐ خطبہ دیتے تھے اور اس کا پہلا حصہ انہی کلمات پر مشتمل ہوتا تھا۔

اب ذرا اِن الفاظ پر غور کیجیے تو اندازہ ہو گا کہ یہ کیونکر ہمارے ایمان کی جڑ اور بنیاد ہے' جسے حضورﷺ ہر خطبے میں دہرایا اور تازہ کیا کرتے تھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ''کُل حمد' کُل شکر' کُل ثناء' کُل تعریف اللہ ہی کے لیے ہے'' نَحْمَدُہٗ ''ہم بھی اسی کی حمد کرتے ہیں''۔تعریف کرتے ہیں' ثنا کرتے ہیں۔ وَنَسْتَعِیْنُہٗ ''اوراسی سے مدد مانگتے ہیں''۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث نبویؐ میں الفاظ آئے ہیں: ((اِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰہِ))(۱) ''جب تمہیں مدد کی ضرورت ہوتو اللہ سے مدد مانگو''۔کسی انسان کے پاس نہ جاؤ' اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ وَنَسْتَغْفِرُہٗ ''اوراسی سے ہم اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں''۔ وَنُؤْمِنُ بِہٖ ''اوراسی پر ہمارا یقین ہے''۔وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ ''اوراسی پر ہمارا توکل' دارو مداراورانحصار ہے''۔وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا ''اورہم اپنے نفسوں کی شرارتوں سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں''۔نفس کے بارے میں قرآن میں کہا گیا کہ: ﴿اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ﴾ (یوسف:۵۳) ''نفس تو انسان کو برائی پر ہی ابھارتا ہے''۔لہٰذا فرمایا گیا کہ اس کی شرارتوں سے ہم اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔ وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا ''اورہم اپنے بُرے کرتوتوں (کے عذاب) سے بھی اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں''۔مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ ''جس کو اللہ نے ہدایت دے دی اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا''۔(اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْھُمْ ''اے اللہ! ہم سب کو اُن میں شامل کر دے'') وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ ''اور جسے اللہ گمراہ کردے (جس کی گمراہی پر اللہ کی مہر لگ گئی ہو) اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا''۔(اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مِنْھُمْ ''اے اللہ! ہم میں سے کسی کو اُن میں شامل نہ کیجیو'') یہاں تک کہ اللہ کے رسول بھی ہدایت نہیں دے سکتے۔ہدایت کا اختیار صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ارشادِ الٰہی ہے: ﴿اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ﴾ (القصص:۵۶) ''(اے نبی!) بے شک آپ ہدایت نہیں دے سکتے جسے آپ چاہیں' بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے''۔یہ فیصلہ تو اللہ کرتا ہے کہ کون طالبِ حق ہے کہ اسے ہدایت دی جائے۔خواہ مخواہ خنزیروں کے آگے موتی بکھیرنے سے کیا حاصل! اللہ جانتا ہے کس

(۱) سنن الترمذی' کتاب صفة القیامة والرقائق والورع' باب منه۔

کے اندر ہدایت کی طلب ہے اور اسے وہ ہدایت دیتا ہے۔

اس کے بعد شہادتین ہیں' جنہیں اسلام کی جڑ اور بنیاد کی حیثیت حاصل ہے۔ فرمایا: وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰــهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْکَ لَهٗ اور ہم سب اس پر گواہ ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ اکیلا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں''۔ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ''اور ہم اِس پر بھی گواہ ہیں کہ حضرت محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں''۔ ایمان درحقیقت قلبی ونفسیاتی کیفیات کا نام ہے جس کے تحت سارا توکل اور یقین اللہ پر رکھا جاتا ہے اور اسی سے استعانت طلب کی جاتی ہے' جبکہ اسلام کی جڑ اور بنیاد سے مراد یہ ہے کہ کوئی بھی غیر مسلم یہ کلمۂ شہادت پڑھ کر دائرۂ اسلام میں داخل ہوسکتا ہے۔ یہ اسلام میں داخلے کا گویا ''شاہ درہ'' یعنی بڑا دروازہ ہے۔ دریائے جمنا کی مغربی جانب دہلی ہے اور یوپی سے آنے والے جس دروازے سے گزر کر دہلی میں داخل ہوتے ہیں وہ دہلی کا شاہ درہ ہے۔ ایسا ہی ''شاہدرہ'' لاہور کے پار بھی ہے۔ لاہور دریائے راوی کے جنوب مشرق میں ہے۔ چنانچہ اوپر سے جو بھی پنجاب کی سرحد عبور کر کے آئے گا' اس شاہ درہ میں سے گزرتا ہوا آئے گا۔ اسی طرح اسلام کا شاہ درہ کلمۂ شہادت ہے۔

آیاتِ قرآنی کا پُراز حکمت انتخاب

کلمۂ شہادت کے بعد حضور ﷺ کے خطبے میں صرف چار آیاتِ قرآنی شامل ہیں جن کا انتخاب بھی حضور ﷺ نے خود فرمایا ہے۔ ایک آیت سورۃ آل عمران کے وسط سے ہے' ایک سورۃ النساء کی پہلی آیت ہے اور دو آیات سورۃ الاحزاب سے ہیں۔ دیکھیے ایسا کیوں ہے؟ اگر محض چار آیتیں ہی پڑھنی مقصود ہوتیں تو سورۃ الاخلاص چار آیات کی تلاوت کر لی جاتیں جن کو حضور ﷺ نے سب سے زیادہ متبرک اور قرآن کے تیسرے حصے کے برابر کہا ہے اور اِن کے پڑھنے سے ایک تہائی قرآن کی تلاوت کا ثواب مل جاتا ہے! یا پھر سورۃ الفاتحۃ پڑھ لی جاتی جو قرآن مجید کی اہم ترین سورۃ ہے اور جسے ''اساس القرآن'' اور ''اُمّ القرآن'' کہا گیا ہے۔ لیکن اس کے بجائے حضور

اکرم ﷺ نے موقع کی مناسبت سے چار آیتیں منتخب فرمائیں۔ ان چاروں میں جو چیز مشترک ہے وہ تقویٰ کی انتہائی تاکید ہے۔

تقویٰ کی حقیقت واہمیت

آیات کی تفہیم سے پہلے تقویٰ کی حقیقت سمجھ لیجیے' تاکہ ہر آیت کے ساتھ اِس کو بیان کرنے کی ضرورت نہ رہے۔ تقویٰ کے معنی ہیں بچنا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس چیز سے بچنا؟ اس سے مراد ہے گناہ سے بچنا' اللہ کی نافرمانی سے بچنا' حرام میں ملوث ہونے سے بچنا۔ دنیا میں ان چیزوں سے بچنے سے انسان نتیجتاً آخرت میں جہنم سے بچ جائے گا۔ گویا کُل دین اس لفظ ''تقویٰ'' کے اندر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی محفلِ مشاورت میں ایک مرتبہ یہ مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا کہ تقویٰ کیا ہے! اس کی تعریف اور تعیین کیسے کی جائے؟ اس موقع پر ہر شخص کے ذہن میں تقویٰ کا جو بھی تصور تھا اس نے بیان کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ آپؓ وہ صحابی ہیں جن کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا: ((وَاَقْرَؤُھُمْ اُبَیُّ بْنُ کَعْبٍ)) ''میرے صحابہؓ میں قرآن کا سب سے بڑا عالم اُبی بن کعبؓ ہے''۔ وہ خاموش بیٹھے تھے۔ اس لیے کہ برتن جتنا بھرا ہوا اتنا ہی خاموش ہوتا ہے' جتنا خالی ہو اتنا ہی کھنکتا ہے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن سے خاص طور پر فرمائش کی کہ آپ ہی فرمایئے تقویٰ کسے کہتے ہیں تو انہوں نے فرمایا: ''اے امیر المؤمنین! جب کسی شخص کو جنگل کی ایسی پگڈنڈی سے گزرنے کا اتفاق ہو جس کے دونوں اطراف میں خاردار جھاڑیاں ہوں تو یہاں سے گزرتے ہوئے وہ شخص لامحالہ اپنے کپڑوں کو ہر طرف سے سمیٹ کر اُس راستے کو اس طرح طے کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ اس کے کپڑے جھاڑیوں اور ان کے کانٹوں سے الجھنے نہ پائیں۔ اسی احتیاطی رویے کو تقویٰ کہتے ہیں''۔

جنگل میں تو اکثر و بیشتر کوئی پگڈنڈی بھی نہیں ہوتی۔ رات کے وقت گھپ اندھیرے میں ایسے جنگل سے گزرنا پڑے جہاں چاروں طرف خاردار جھاڑیاں اور کونگو یا ایمیزن کے طاس کے سے جنگل ہوں تو شدید اندیشہ ہوتا ہے کہ گھاس میں کوئی

سانپ کنڈلی مار کر بیٹھا ہو اور اس پر انسان کا پاؤں پڑ جائے' یا کسی اور موذی جانور کے بل میں پاؤں گھس جائے۔ پھر ایسے گھنے جنگلوں میں تو ٹہنیوں پر بھی سانپ لٹک رہے ہوتے ہیں۔ ایسے میں انسان بچ بچ کر چلتا ہے' جسے ہم اپنے محاورے میں ''پھونک پھونک کر قدم رکھنا'' کہتے ہیں۔ تو حضرت اُبی بن کعب ؓ کی مراد یہ تھی کہ یہ دنیا بھی ایک خاردار جنگل کی طرح ہے جہاں جھاڑیوں کی شکل میں ہر طرف گناہ کی ترغیبات ہیں' تو اِن میں سے انسان اپنے کپڑوں کو سمیٹ کر اس طرح گزر جائے کہ کسی جھاڑی میں الجھ نہ جائے' ہر پاؤں دیکھ کر رکھے کہ کہیں بھی وہ حدودِ شریعت سے تجاوز نہ کر جائے' کہیں کسی گناہ کے سانپ کے اوپر پاؤں نہ پڑ جائے' تو اسی کا نام تقویٰ ہے!

ظاہر ہے اگر دکان دار میں تقویٰ نہیں ہے تو وہ جھوٹی قسمیں کھائے گا' ناپ تول میں بے ایمانی کرے گا۔ اگر سرکاری ملازم میں تقویٰ نہیں ہے تو وہ رشوتیں لے گا' سائلوں کو زیادہ پریشان کرے گا تاکہ اتنی ہی زیادہ رشوتیں ملیں۔ اگر اس کے تصرف میں سرکاری املاک ہیں تو اُن میں بھی خیانت کرے گا' اپنے اختیارات سے تجاوز کرے گا۔ اور اگر سیاست دانوں میں تقویٰ نہیں ہے تو اس کے نتیجے میں ہمارے ملک کا جو بیڑا غرق ہوا ہے وہ سب کے سامنے ہے۔ اب تو کسی کو یہ احساس ہی نہیں رہا کہ مجھے مر کر اللہ کے حضور میں حاضر ہونا ہے اور اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَزُوْلُ قَدَمُ ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهٖ حَتّٰى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ: عَنْ عُمُرِهٖ فِيْمَ اَفْنَاهُ وَعَنْ شَبَابِهٖ فِيْمَ اَبْلَاهُ وَمَالِهٖ مِنْ اَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيْمَ اَنْفَقَهُ وَمَاذَا عَمِلَ فِيْمَا عَلِمَ)) (۱)

''قیامت کے دن ابن آدم کا قدم اپنے ربّ کے حضور سے نہیں ہل پائے گا (اسے اللہ کے کٹہرے میں کھڑا رہنا پڑے گا) یہاں تک کہ اس سے پانچ چیزوں کے بارے میں جواب دہی ہو جائے: اپنی عمر کے بارے میں کہ اسے کہاں کھپایا؟ (کس کام میں لگے رہے؟)' (خاص طور پر) اپنے شباب کے

(۱) سنن الترمذی' کتاب صفة القيامة والرقائق والورع' باب ما جاء فی شأن الحساب والقصاص۔

بارے میں کہ اسے کہاں گلایا؟ (جوانی کیسے بسر کی؟)' اپنے مال کے بارے میں کہ وہ کہاں سے کمایا؟ (حلال سے یا حرام سے؟) اور کہاں خرچ کیا؟ (عیاشیوں میں' اسراف و تبذیر میں یا بھلائی کے کاموں میں؟) اور (آخر میں سب سے کڑا اور سخت سوال) اپنے عمل کے بارے میں کہ جو علم تم نے حاصل کیا اُس پر عمل کتنا کیا؟''

آپ حضرات دروسِ قرآن کی مجالس میں شریک ہوتے ہیں۔ لیکن کبھی آپ نے اپنا جائزہ بھی لیا کہ اس سے ہماری زندگیوں میں کوئی تغیر آیا؟ ہم نے اپنے کاروبار میں سے حرام کو نکالنے کا فیصلہ کیا؟ اپنی معاشرت کے اندر سے غیر اسلامی چیزیں ختم کیں؟ کیا ہم نے اپنے گھر کے اندر شرعی پردہ نافذ کیا؟ جان لیجیے کہ قیامت کے دن زیادہ علم وبال بن جائے گا' زیادہ دولت بھی وبال بنے گی۔ وہاں ایک ایک پیسے کا حساب دینا ہوگا۔ یہاں کے انکم ٹیکس آفیسر سے آپ لڑتے ہیں' وہاں کیا ہوگا؟

یہ تقویٰ معاشرے میں اُس وقت آئے گا جب اِس کا آغاز گھر سے ہوگا۔ گھر وہ چار دیواری ہے جہاں بچہ بڑھ رہا ہے' پرورش پا رہا ہے۔ اگر گھر کے اندر تقویٰ ہے تو یہی بچہ جب باہر آ کر معاشرے میں کاروبار یا ملازمت کرے گا تو اس میں بھی تقویٰ ہوگا۔ اس لیے حضور ﷺ نے خطبۂ نکاح میں وہ آیات شامل کیں جو تقویٰ کی انتہائی تاکیدی آیات ہیں۔ آپ کسی کمپیوٹر کو بھی اگر یہ کام دے دیں کہ قرآن مجید میں تقویٰ کی سب سے زیادہ تاکیدی آیات کون سی ہیں' تو وہ بھی انہی آیات کی نشان دہی کرے گا۔ لہٰذا جس نکاح کی بنیاد تقویٰ پر ہو اُس سے بننے والے خاندان میں بھی تقویٰ کی امید کی جاسکتی ہے!

سورۂ آل عمران کی آیت ۱۰۲

اب ان آیات کا مفہوم سمجھ لیں! پہلی آیت سورۃ آل عمران کی آیت ۱۰۲ ہے جو میرے نزدیک تقویٰ کے موضوع پر قرآن مجید کی سب سے زیادہ تاکیدی آیت ہے۔ ارشاد ہوا: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ﴾ ''اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جتنا کہ اس کے تقویٰ کا حق ہے''۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم گھبرا گئے۔ آج ہمارا قرآن کا پڑھنا سننا کچھ اور طرح کا ہے' اُن کا پڑھنا سننا کچھ اور انداز کا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو سنتے ہی فوراً اپنے آپ کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھتے تھے کہ ہم اس پر پورے اتر سکتے ہیں یا نہیں' جبکہ ہم تو سن کر بس ثواب حاصل کرتے ہیں۔ اللہ اللہ خیر صلاّ! کچھ ثواب ہو گیا' کچھ لذتِ سماعت حاصل ہو گئی' اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ تو مذکورہ بالا آیت سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گھبرا گئے اور عرض کیا کہ حضورؐ! کون شخص ہے جو اللہ کا اتنا تقویٰ اختیار کر سکے جتنا کہ اُس کے تقویٰ کا حق ہے؟ اِس پر سورۃ التغابن کی آیت ۱۶ نازل ہوئی: ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ.....﴾ ''تو اللہ سے ڈرتے رہو (اس کا تقویٰ اختیار کرو) جس حد تک تمہاری استطاعت میں ہے''۔ تب اُن کی جان میں جان آئی۔ یقیناً اللہ کے تقویٰ کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا۔ اپنی امکانی حد تک تو ہم کوشش کر سکتے ہیں لیکن اس کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ حضور ﷺ خود فرماتے ہیں کہ: ((مَا عَبَدْنَاکَ حَقَّ عِبَادَتِکَ وَمَا عَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ)) اللہ! ہم تیری بندگی نہ کر پائے جیسا کہ تیری بندگی کا حق تھا' اور ہم تیری معرفت حاصل نہ کر پائے جیسا کہ تیری معرفت کا حق تھا''۔

آیتِ مبارکہ کا اگلا حصہ ہے: ﴿وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ ''اور دیکھنا تم پر موت نہ آنے پائے مگر فرمانبرداری کی حالت میں''۔ ایسا نہ ہو کہ شراب میں دھت ہو اور اُسی حالت میں موت آ جائے' کسی حرام کاری میں ملوث ہو اور اُسی وقت روح قبض کر لی جائے! کیا کسی کے پاس اس امر کی کوئی گارنٹی ہے کہ وہ گناہ کر کے بھی بچا رہے گا؟ لکھنؤ کے ایک بہت بڑے شاعر کی موت اس طرح واقع ہوئی کہ وہ رات کے دو تین بجے شراب خانے سے نشے میں دھت ہو کر نکلے اور سڑک پر گر پڑے' ساتھ ہی گندا نالہ بہہ رہا تھا جہاں سے ان کی لاش برآمد ہوئی۔ ذرا آپ بھی سوچیے کہ کس کے پاس یہ ضمانت ہے کہ ابھی وہ مزید ایک سال یا دس سال تک زندہ رہ سکتا ہے! معلوم نہیں موت کب اور کہاں آ جائے۔ سورۃ لقمان کی آیت ۳۴ ہے: ﴿وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ﴾ ''اور کسی متنفس کو یہ خبر نہیں کہ کس سرزمین میں اس کی موت آنی

ہے''۔ بہت ممکن ہے کہ ہم گھر سے نکلیں' کوئی حادثہ پیش آ جائے اور ہماری لاش ہی گھر پہنچے۔ آئے دن ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں کہ کوئی صاحب صبح سویرے دفتر کے لیے گھر سے نکلے' شام تک گھر واپس نہیں لوٹے تو گھر والوں کو تشویش ہوئی' انہوں نے گمان کیا کہ کسی دوست کے ہاں چلے گئے ہوں گے! جب ساری رات گھر نہیں آئے تو اب ڈھونڈنے نکلے۔ ہسپتالوں کو چیک کیا' پولیس سٹیشنوں کا دورہ کیا' آخر کار لاش کسی ہسپتال کے سرد خانے میں پڑی ہوئی ملی۔ ہر شخص بخوبی جانتا ہے کہ اُس کے ساتھ بھی ایسا ہو سکتا ہے۔ تو اگر کوئی شخص یہ طے کر لے کہ میں نہیں مروں گا مگر حالتِ فرمانبرداری میں' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی لمحہ بھی نافرمانی میں بسر نہ ہو' مبادا اُسی لمحے موت آ جائے۔ بہرحال تقویٰ کی اس سے زیادہ تاکید ممکن نہیں ہے جو اِس آیت میں وارد ہوئی ہے۔

سورۃ النساء کی پہلی آیت

خطبۂ نکاح کی دوسری آیت سورۃ النساء کی پہلی آیت ہے اور یہ نکاح کی تقریب کے اعتبار سے بہت زیادہ مناسبت رکھنے والی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً ۚ﴾

''اے لوگو! اپنے اُس ربّ کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تمہیں ایک جان سے بنایا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا' اور ان دونوں سے (دنیا میں) کثیر تعداد میں مَردوں اور عورتوں کو پھیلا دیا۔''

جان لیجیے کہ یہاں خطاب ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' (اے اہل ایمان!) کے الفاظ سے نہیں' بلکہ پوری دنیا کے انسانوں سے عمومی خطاب ہے۔ اِس وقت دنیا کی آبادی چھ سو کروڑ سے زیادہ ہے اور یہ تمام لوگ آدم اور حوا علیہما السلام کی اولاد ہیں۔ اہلِ ایمان' ہندو' عیسائی' یہودی یا وہ لوگ جن کا کسی مذہب سے تعلق نہیں ہے' سب کے سب آدم و حوا علیہما السلام کی اولاد ہیں۔ لہٰذا یہاں ''یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ'' کے الفاظ سے خطاب کیا گیا ہے۔ نکاح کے حوالے سے اس آیت کی مناسبت یہ ہے کہ آدم کا ایک بیٹا اور حوا کی

ایک بیٹی رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو رہے ہیں۔ انہیں بھی اللہ اولاد سے نوازے گا اور یوں آدم کی نسل آگے بڑھے گی۔

نوٹ کیجیے کہ اس آیت کے اگلے حصے میں پھر تقویٰ کی تاکید ہے۔ فرمایا گیا: ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ﴾ ''اور تقویٰ اختیار کرو اُس اللہ کا جس کا تم ایک دوسرے کو (سوال کرتے ہوئے) واسطہ دیتے ہو' اور رحمی رشتوں کو بگاڑنے سے پرہیز کرو''۔ کس قدر پیارا انداز ہے! فقیر مانگتا ہے تو اللہ کے نام پر مانگتا ہے۔ آپ کو اپنے کسی دوست سے کوئی کام کہنا ہو تو اللہ کا واسطہ دیتے ہو کہ بھئی خدا کے لیے میرا یہ کام ضرور کرنا۔ اگر میاں بیوی کے مابین چپقلش ہو جائے اور معاملہ نہ سلجھ رہا ہو تو آخر کار بڑے بوڑھے یہی کہتے ہیں کہ خدا کے لیے اپنے معاملات درست کر لو' ورنہ اگر طلاق اور علیحدگی کی نوبت آ گئی تو بچے برباد ہو جائیں گے۔ تو یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ جس اللہ کا تم ایک دوسرے کو واسطہ دیتے ہو اُس کا تقویٰ بھی تو اختیار کرو' اس کے احکام بھی تو مانو' اس کی شریعت بھی تو تسلیم کرو۔ اور فرمایا کہ رحمی رشتوں کا لحاظ رکھو۔ صلہ رحمی ہونی چاہیے' قطع رحمی نہیں۔ بھائیوں کو کاٹو نہیں' بلکہ جوڑو۔ آگے فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝﴾ ''یقیناً اللہ تم پر نگران ہے''۔ تمہارا ہر عمل اُس کی نگاہ میں ہے۔ چاہے تم نے دروازے بند کر دیے ہوں' کھڑکیاں بند کر دی ہوں' پردے ڈال دیے ہوں اور سمجھ رہے ہو کہ کوئی آنکھ دیکھنے والی نہیں' لیکن جان رکھو کہ ایک آنکھ لازماً دیکھ رہی ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے: ﴿هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ﴾ (الحدید:۴) ''تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ تمہارے ساتھ موجود ہوتا ہے''۔ تمہارا کوئی عمل اس کی نگاہوں سے چھپا ہوا نہیں۔

سورۃ الاحزاب کی دو آیات

اس کے علاوہ اس خطبۂ نبویؐ میں سورۃ الاحزاب کی دو آیات (۷۰'۷۱) شامل ہیں۔ پہلی آیت میں پھر تقویٰ کی تاکید ہو رہی ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ ''اے اہل ایمان! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو''۔ ﴿وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝﴾ ''اور ٹھیک

بات کیا کرو‘‘۔ زبان سے وہ بات نکالو جو صحیح ہو۔ یہ نہ ہو کہ زبان کو کھلی چھوٹ ہو کہ جو مُنہ میں آیا کہہ دیا۔ جیسے ہم کہتے ہیں ’’پہلے تولو پھر بولو‘‘۔ پہلے سوچ لینا چاہیے کہ آیا مجھے یہ بات کہنے کا حق حاصل ہے یا نہیں۔ اس لیے کہ آخرت میں اس کی جواب دہی کرنی پڑے گی۔

حضرت مُعاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث نبویؐ جس کو امام احمد بن حنبل‘ امام ترمذی اور امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے اپنی اپنی کتب احادیث میں روایت کیا ہے‘ اس میں حضورﷺ کے یہ الفاظِ مبارکہ نقل ہوئے ہیں: ((اَلَا اُخْبِرُکَ بِمِلَاکِ ذٰلِکَ کُلِّہٖ؟)) (اے مُعاذ!) کیا میں تجھ کو نہ بتلاؤں وہ بات جس پر اِس (دخولِ جنت) کا مدار ہے؟‘‘ حضرت مُعاذ نے عرض کیا: کیوں نہیں اے اللہ کے نبیﷺ! ضرور بتایئے۔ تو حضورﷺ نے اپنی زبانِ مبارک کو پکڑ کر فرمایا: ((کُفَّ عَلَیْکَ ھٰذَا)) ’’اس (زبان) کو تُو بند کرلے‘‘۔ آپؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہﷺ! کیا جو کچھ ہم اپنی زبان سے کہتے ہیں اُس پر بھی ہمارا مؤاخذہ ہوگا؟ تو حضورﷺ نے فرمایا: ((ثَکِلَتْکَ اُمُّکَ یَا مُعَاذُ وَھَلْ یَکُبُّ الَّ فِی النَّارِ عَلٰی وُجُوْھِھِمْ اَوْ عَلٰی مَنَاخِرِھِمْ اِلَّا حَصَائِدُ اَلْسِنَتِھِمْ)) ’’اے معاذ! تجھے تیری ماں گم کرے‘ لوگوں کو آگ میں اُن کے مُنہ کے بل یا ناک کے بل گرانے والی ان کی زبانوں کی کھیتیوں کے سوا اور کیا چیز ہوگی!‘‘ یعنی زبان کی کھیتیاں ہی ہوں گی جو وہ آخرت میں کاٹیں گے۔

یہ اہلِ عرب کا بڑا پیارا اور خاص انداز ہے کہ ’’ثَکِلَتْکَ اُمُّکَ یَا فُلَانُ‘‘ حضورﷺ نے اسی انداز میں فرمایا کہ ’’اے مُعاذ تمہیں تمہاری ماں گم کرے!‘‘ یا بالفاظِ دیگر ’’تمہیں تمہاری ماں روئے!‘‘ یعنی میں تو سمجھتا تھا کہ تم بڑے فقیہہ ہو لیکن تم بھی یہ بات پوچھ رہے ہو؟ حضرت مُعاذ بن جبلؓ فقہائے صحابہ میں سے تھے‘ بلکہ حضورﷺ نے ان کے بارے میں یہاں تک فرمایا: ((اَعْلَمُھُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ)) یعنی میرے صحابہؓ میں حلال اور حرام کا سب سے زیادہ جاننے والا

مُعاذ بن جبل ہے!

زبان کی باتوں کو عربی میں ''حَصَائِدُ اللِّسَانِ'' کہتے ہیں' یعنی زبان کی کھیتیاں۔ کسی کی زبان سے جو لفظ نکلتا ہے وہ گویا بیج بن کر آخرت کی زمین میں پڑتا ہے۔ اگر وہ اچھا لفظ ہو تو آخرت میں اس کے نتیجے میں لہلہاتا ہوا پودا ملے گا' چاہے وہ پھول کا ہو یا پھل کا' اور اگر برا ہو تو وہ جھاڑی وجود میں آئے گی جس کے اندر زہریلے کانٹے ہوں گے۔ تو فرمایا جا رہا ہے: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا﴾ ''اے اہل ایمان! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور صحیح صحیح بات کیا کرو''۔ یہ زبان کا تقویٰ ہے' یعنی زبان سے کوئی ایسا لفظ نہ نکلے جو حق و شریعت کے خلاف ہو۔ تہمت' چغلی اور غیبت وغیرہ سے بچو۔

اس آیتِ مبارکہ کی بھی نکاح کی محفل سے بڑی مناسبت ہے۔ عام طور پر میاں بیوی میں جو چپقلش پیدا ہوتی ہے وہ زبان ہی کے ذریعے پیدا ہوتی ہے۔ یا تو شوہر کی زبان بچھو کے ڈنگ کی مانند ہوتی ہے کہ جب بولتا ہے ڈنگ مارتا ہے۔ وہ اللہ کی بندی دس دفعہ برداشت کرتی ہے تو گیارہویں دفعہ بول پڑتی ہے۔ اب تالی دونوں ہاتھوں سے بجنا شروع ہو جاتی ہے اور دونوں کے مابین لڑائی جھگڑا شروع ہو جاتا ہے۔ یا پھر لڑکی زبان دراز ہوتی ہے۔ تو درحقیقت گھریلو چپقلش کو روکنے والی سب سے بڑی چیز زبان کا کنٹرول ہے کہ پہلے تولو' پھر بولو! اس بارے میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث نبویؐ ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ یَّضْمَنْ لِیْ مَا بَیْنَ لَحْیَیْهِ وَمَا بَیْنَ رِجْلَیْهِ اَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ))(۱)

''جو شخص مجھے (ان دو چیزوں کی) ضمانت دے جو اس کے دو گالوں کے درمیان ہے (یعنی زبان) اور جو اُس کی دو ٹانگوں کے درمیان ہے (یعنی شرم گاہ) تو میں اس کے لیے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔''

یعنی اگر تم مجھے اپنی زبان اور شرم گاہ کی ضمانت دے دو (چاہے مَرد ہو یا عورت) کہ اِن کا

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب الرقاق' باب حفظ اللسان و قول النبی ﷺ من کان یؤمن باللہ والیوم۔

غلط استعمال نہیں کرو گے تو باقی پورے جسم کی ضمانت میں دیتا ہوں کہ تمہیں جنت ملے گی۔

اب اگر دل میں بھی تقویٰ ہے اور زبان پر بھی قابو ہے' زبان بھی تقویٰ والی ہے تو اس کا نتیجہ کیا نکلے گا! اگلی آیت میں فرمایا: ﴿یُصۡلِحۡ لَکُمۡ اَعۡمَالَکُمۡ وَیَغۡفِرۡ لَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ ؕ﴾ ''اللہ تمہارے تمام اعمال درست کر دے گا اور تمہارے قصوروں سے درگزر فرمائے گا''۔ اگر بر بنائے طبعِ بشری کوئی خطا ہوگئی' کوئی گناہ سرزد ہوگیا تو اللہ تعالیٰ بخش دے گا۔ ﴿وَمَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ فَقَدۡ فَازَ فَوۡزًا عَظِیۡمًا﴿۷۱﴾﴾ ''اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی (اسے اپنے اوپر لازم کرلیا) اس نے تو بہت بڑی کامیابی حاصل کی''۔ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اجۡعَلۡنَا مِنۡھُمۡ (اے ہمارے ربّ! ہمیں ان میں شامل کیجیے)

اَلنِّکَاحُ مِنۡ سُنَّتِیۡ

حضور ﷺ کا خطبۂ نکاح یہاں ختم ہوگیا ہے۔ اس میں مزید اضافہ تین احادیث کا ہے جن میں سے دو کا اضافہ علماء نے اور ایک کا اضافہ میں نے کیا ہے: ان میں سے دو حدیثوں کو عام طور پر ایک ساتھ پڑھ دیا جاتا ہے جیسے یہ ایک ہی حدیث کے دو ٹکڑے ہوں' حالانکہ یہ دو علیحدہ علیحدہ حدیثیں ہیں۔ پہلی حدیث یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ((اَلنِّکَاحُ مِنۡ سُنَّتِیۡ))(۱) ''نکاح میری سنّت ہے!'' بظاہر تو اس حدیث نبویؐ کا کوئی سبب معلوم نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ کھانا کھانا بھی تو آپؐ کی سنّت تھی' لیکن آپؐ نے کبھی نہیں کہا کہ کھانا میری سنّت ہے۔ قرآن و حدیث میں یہ کہیں نہیں ملے گا کہ کھانا ضرور کھایا کرو۔ یہ تو ہمارا ایک فطری تقاضا ہے جسے ہم پورا کرتے ہیں۔ لیکن حضور ﷺ کو یہ کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی کہ ''نکاح میری سنّت ہے''! اس کی ایک خاص وجہ ہے جس کا ہمیں پوری طرح اندازہ نہیں ہے۔ دنیا کے اکثر مذاہب میں یہ تصور موجود ہے کہ روحانی اعتبار سے برتر زندگی اُن کی ہے جو پوری زندگی شادی نہیں کرتے' بلکہ تجرد کی

(۱) سنن ابن ماجه' كتاب النكاح' باب ما جاء في فضل النكاح۔

زندگی بسر کرتے ہیں۔ بظاہر اُن کی بات کسی قدر معقول بھی ہے۔ شادی کریں گے تو اولاد ہوگی اور گھر گرہستی کے مسائل شروع ہو جائیں گے۔ بچہ اگر بیمار ہے تو ڈاکٹر کے پاس لے کر جائیں گے۔ بڑا ہو گیا ہے تو اب اس کی پڑھائی کا بندوبست کرنا ہے۔ اسی طرح اگر بیوی بیمار ہے تو اُس کا علاج کرانا ہے۔ تو اس طرح سو کھکھیڑ مول لینے پڑتے ہیں۔ کہاں ایک جسم کا پالنا' کہاں دس افراد کے ایک کنبے کی پرورش کرنا! اب ایسا شخص اللہ کو کیسے یاد کرے گا! بظاہر تو اُن کی بات کے اندر ایک Logic ہے۔ اسی بنیاد پر عیسائیوں میں راہب اور راہبائیں شادی نہیں کرتے۔ اسی طرح ہندوؤں میں جوگی' سنیاسی اور بدھ مت میں بھکشو وغیرہ ہیں۔ لیکن جنسی شہوت تو نفس کا ایک قوی فطری تقاضا ہے جو اللہ نے رکھ دیا ہے' اور فطری تقاضے پر اگر کوئی غیر فطری قدغن لگائی جائے گی تو وہ کسی غلط راستے پر پڑ جائے گا۔ چنانچہ اس غیر فطری قدغن کے نتیجے میں راہب خانوں کے اندر جو کچھ ہوتا رہا ہے وہ ''History of Christian Monasticism'' کا ایک تاریک باب ہے۔ اس پر باقاعدہ موٹی موٹی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ عیسائیوں کا خانقاہی نظام یہی تھا کہ ان کی خانقاہوں کے اندر راہب اور راہبائیں رہتے تھے جو شادی نہیں کرتے تھے' لیکن انہی خانقاہوں کے تہہ خانوں کے اندر حرامی بچوں کے قبرستان بن گئے۔ اس لیے کہ یہ تو ایک فطری جذبہ ہے' اسے کیسے کنٹرول کیا جائے! کچھ لوگ ایسے ہو سکتے ہیں جو کنٹرول کر جاتے ہوں لیکن عام آدمی تو کنٹرول نہیں کر سکتا۔ آپ کے علم میں ہوگا کہ جمّی سواگرٹ کا کیا حشر ہوا۔ یہ بہت بڑا پادری تھا اور اس نے شیخ احمد دیدات سے مناظرہ بھی کیا تھا' اگرچہ شکست کھائی تھی۔ اس کے کرتوتوں کا سارا کچا چٹھا اب منظر عام پر آ گیا ہے۔ آپ ٹیلی ویژن پر دیکھتے ہیں کہ کیتھولکس کے پادریوں کا کیا کردار ہے۔ تو اس جنسی جذبے پر قدغن لگانا غیر فطری ہے۔ جسم میں اللہ نے جو تقاضے رکھے ہیں اُن کو پورا کرنے کے بھی اس نے راستے بتائے ہیں۔ ہمارا دین انتہائی متوازن ہے۔ ایک حدیث نبویؐ ہے کہ: ((اِنَّ لِنَفْسِکَ عَلَیْکَ حَقًّا))یقیناً

تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے''۔ تمہیں کھانے کا تقاضا ہے تو کھاؤ لیکن حلال کھاؤ' حرام نہ کھاؤ اور ضرورت کے مطابق کھاؤ' اسراف نہ کرو۔ اسی طرح تمہارا جنسی تقاضا ہے تو اسے پورا کرو' لیکن حلال طریقے سے پورا کرو' حرام کے قریب بھی نہ جاؤ! تو یہ ایک خاص سبب ہے جس کی وجہ سے حضورﷺ نے فرمایا: ((اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ)) ''نکاح میری سنّت ہے''۔

اس ضمن میں ایک اور بات بھی نوٹ کر لیجیے کہ ہمارے ہاں بھی بعض اوقات کچھ بزرگوں' اولیاء اللہ اور صوفیائے کرام کی تعریف کرتے ہوئے یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ ''انہوں نے تو ساری عمر اللہ سے لو لگائے رکھی اور شادی نہیں کی''۔ اس جملے سے ان کی مدح ہو یا نہ ہو لیکن حضورﷺ کی قدح ہو جاتی ہے' آپؐ کی توہین ہو جاتی ہے۔ حضورﷺ تو کہتے ہیں کہ نکاح میری سنّت ہے۔ آپؐ نے گیارہ شادیاں کی ہیں' ایک وقت میں نو نو ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن آپؐ کے گھر میں رہی ہیں۔ اگر شادی کے ساتھ روحانیت نہیں ہو سکتی تو حضورﷺ میں تو' معاذ اللہ' روحانیت کا کوئی امکان ہی نہیں! نعوذ باللّٰہ من ذٰلک' ثم نعوذ باللّٰہ من ذٰلک۔ البتہ اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ آپ خواہ مخواہ بزرگوں پر تنقید کریں' اُن پر لعن طعن کریں۔ اس کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ کیا معلوم ان کی کیا مجبوریاں تھیں' یہ اللہ جانے اور وہ جانیں۔ آپ اُن کی مدح میں اُن کے تقویٰ اور علم وغیرہ کی وضاحت ضرور کریں' لیکن یہ بات کہ انہوں نے ساری عمر شادی نہیں کی' ان کی مدح کے طور پر نہیں ہونی چاہیے' ورنہ یہ حضورﷺ کی توہین بن جائے گی اور ع ''ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں'' کے مصداق اس تیر کا نشانہ محمد رسول اللہﷺ کا اُسوۂ حسنہ ہوگا۔

اس ضمن میں حضورﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو ایک نصیحت کی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص اور اُن کے والد حضرت عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہما) کی زندگیوں میں بڑا تضاد ہے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ بہت بڑے سیاست دان اور جرنیل تھے' لیکن ان کے بیٹے حضرت عبداللہؓ اتنے متقی اور زاہد

وعابد تھے کہ ساری ساری رات نوافل میں گزارتے اور ہر روز روزہ رکھتے تھے۔ ان کو نہ اپنی بیوی سے کوئی تعلقِ خاطر تھا اور نہ ملاقات کے لیے آنے والوں سے کوئی سروکار۔ حضور ﷺ کو جب ان کے بارے میں یہ اطلاع ملی تو آپؐ نے انہیں بلایا۔ آپؐ نے ان کے تقویٰ اور عبادت کی تعریف نہیں کی' بلکہ فرمایا: ((یَا عَبْدَاللّٰہِ! اَوَلَمْ اُخْبَرْ اَنَّکَ تَصُوْمُ النَّھَارَ وَتَقُوْمُ اللَّیْلَ؟)) ''اے عبداللہ! کیا مجھے یہ خبر نہیں دی گئی کہ تم ہر روز روزہ رکھتے ہو اور ساری رات نماز میں گزارتے ہو؟'' انہوں نے عرض کیا: ایسا ہی ہے اے اللہ کے رسولؐ! تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((فَلَا تَفْعَلْ' صُمْ وَاَفْطِرْ' وَقُمْ وَنَمْ' فَاِنَّ لِجَسَدِکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَاِنَّ لِعَیْنِکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَاِنَّ لِزَوْجِکَ عَلَیْکَ حَقًّا)) ''تم ہرگز ایسا مت کرو! روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو (یعنی ناغہ بھی کرو)' اور قیام بھی کرو (نوافل ادا کرو) اور رات کو سویا بھی کرو۔ یقیناً تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے' اور تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے' اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے ملاقاتی کا بھی تم پر حق ہے''۔

ترکِ سنت کا قابل حذر انجام

اب دوسری حدیثِ مبارکہ جو پیش کی جا رہی ہے' اس کی وضاحت شاید بہت سوں کو بری لگے۔ جیسے کسی نے کہا ہے: ع ''مقطع میں آ پڑی ہے سخن گسترانہ بات!'' لیکن خدا کے لیے اس یقین کے ساتھ میری بات سنیے کہ میں کسی کی دل آزاری کے لیے یہ بات نہیں کر رہا' بلکہ ایک دینی فریضہ سمجھ کر کر رہا ہوں۔ حضور ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے: ((مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ))[۲] ''جس نے میری سنّت سے اعراض کیا (جسے میری سنّت پسند نہیں ہے) اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں''۔ وہ لاکھ اپنی جگہ سمجھتا ہو کہ میں حضرت محمد ﷺ کا اُمتی ہوں' لیکن حضور ﷺ فرما رہے ہیں کہ وہ میرا اُمتی ہرگز نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے روزِ قیامت وہ شفاعت کا امیدوار بن کر حضور ﷺ کی

(۱) صحیح البخاری' کتاب الصوم' باب حق الجسم فی الصوم۔

(۲) مسند احمد' کتاب باقی مسند الانصار' باب حدیث رجل من الانصار۔

طرف دیکھے لیکن حضورﷺ فرمائیں کہ دفع ہو جاؤ' تمہارا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے!

جان لیجیے کہ سنّت حضورﷺ کے طرزِ عمل' آپؐ کے اقوال و افعال کا نام ہے۔ سنّتیں چھوٹی بھی ہیں' بڑی بھی ہیں۔ جیسے آپ اکنامکس میں میکرو اکنامکس اور مائیکرو اکنامکس کی اصطلاحات استعمال کرتے ہیں' اسی طرح حضورﷺ کی کچھ میکرو (بڑی) سنّتیں ہیں اور کچھ مائیکرو (چھوٹی) سنّتیں۔ سب سے چھوٹی سنّت کی مثال یہ ہے کہ آپ مسجد میں داخل ہوں تو پہلے آپ کا دایاں پاؤں آگے جائے بایاں نہ جائے' باہر نکلتے ہوئے پہلے بایاں پاؤں باہر نکلے دایاں نہ نکلے۔ بیت الخلاء میں جا رہے ہوں تو بایاں پاؤں پہلے داخل ہو دایاں بعد میں' اور نکل رہے ہوں تو دایاں پاؤں پہلے نکلے بایاں بعد میں۔ اس طرح سنّت نبویؐ پر عمل ہو جائے گا اور ثواب مل جائے گا۔ اسی طرح رات کو سونے لگیں تو دائیں کروٹ قبلہ رُخ ہو کر گال داہنی ہتھیلی پر رکھ لیں اور اللہ مزید توفیق دے تو مسنون دعا ((اَللّٰھُمَّ بِاسْمِکَ اَمُوْتُ وَاَحْیٰی)) بھی پڑھ لیں۔ اس طرح سے گویا سنّت نبویؐ پر عمل ہو جائے گا۔ اس اعتبار سے ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ کی کتاب ''اُسوۂ رسول'' بہت جامع ہے جس میں اِن سنتوں کی تفصیل موجود ہے۔ البتہ یہ جان لیجیے کہ ان چھوٹی سنّتوں میں سے سب سے بڑی سنّت داڑھی کا رکھنا ہے' جس کے سنّت مؤکدہ ہونے میں تو کوئی شک ہی نہیں ہے' جبکہ بہت سے علماء کے نزدیک تو یہ واجب ہے۔ یہ وہ سنّت ہے جس کے لیے حضورﷺ نے حکم دیا ہے کہ: ((اَعْفُوا اللِّحَی وَاَحْفُوا الشَّوَارِبَ))(۱) ''داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کتراؤ''۔ یہ صرف حضورﷺ کی ہی سنّت نہیں بلکہ تمام انبیاء و رُسل اور اولیاء اللہ کی سنّت ہے۔ یہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی بھی سنّت تھی' لیکن اُن کے معتقدین صرف گیارہویں شریف دے رہے ہیں' اس سنّت سے ان کا کوئی سروکار نہیں رہا۔ اور یہ داڑھی کی سنّت ایسی عجیب ہے کہ اگر ہے تو ہر دم ہے اور نہیں ہے تو یکسر نہیں ہے۔ بعض سنّتیں تو ایسی ہوتی

---

(۱) صحیح مسلم' کتاب الطھارۃ' باب خصال الفطرۃ۔ وسنن النسائی' کتاب الزینۃ' باب احفاء الشارب۔

ہیں کہ کبھی کبھی رہ بھی سکتی ہیں۔ مثلاً آپ سے مجبوراً ظہر کی پہلی چار سنّتیں رہ گئیں تو کوئی بات نہیں‘ اکثر تو آپ ادا کر لیتے ہیں۔ لیکن یہ سنّت اگر ہے تو ہمہ وقت ہے اور اگر نہیں تو بالکل نہیں۔ اسے فزیالوجی میں ’’All or none law‘‘ کہتے ہیں کہ کوئی چیز ہے تو پوری ہے اور نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے۔ مسنون داڑھی مسلمان کی پہچان ہے۔ دُور سے پتہ چل جاتا ہے کہ مسلمان آ رہا ہے‘ ورنہ کیا معلوم کوئی عیسائی ہے‘ کوئی بدھ مت کا پیرو ہے‘ کوئی ہندو ہے یا کوئی اور! تو یہ داڑھی کی سنّت ہماری پہچان ہے اور حضورﷺ کا ارشاد ہے: ((مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ)) ۔

غور کیجیے کہ ہم نے کسی کی سنّت کو چھوڑ کر کسی کی اختیار بھی تو کی ہے نا! حضورﷺ کی سنّت چھوڑ کر ہم نے لارڈ کرزن کی سنّت اختیار کی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ پھر کسی نہ کسی کا راستہ تو اپنانا ہوتا ہے! ہندوستانی مسلمانوں میں داڑھی منڈانا اُس وقت شروع ہوا جب انگریز ہندوستان میں آئے تھے۔ گویا یہ سب انگریزوں کی پیروی میں ہو رہا ہے۔ حضورﷺ کا ارشاد ہے: ((اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ)) ’’عوام اپنے بادشاہوں کے طریقے پر ہوتے ہیں‘‘۔ پوری دنیا میں اب یہی روش چل رہی ہے اور یہ ایک طرح کی بھیڑ چال ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ ہم میں سے کوئی ایک آدمی بھی ایسا ہو جس نے سوچ سمجھ کر حضورﷺ کی یہ سنّت ترک کر کے داڑھی منڈانی شروع کی ہو! جمعہ کے خطبات میں یہ باتیں آنی چاہئیں‘ لیکن اس پر ہمارے علماء بے چارے اب کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں رہے۔ اس لیے کہ اگر دیہات کی مسجد ہے اور خطیب کے سامنے کوئی داڑھی مُنڈا چودھری بیٹھا ہوا ہے تو اب وہ اسے کیا کہہ سکتا ہے؟ شہروں میں بھی انتظامیہ کے افراد اکثر و بیشتر داڑھی مُنڈے ہوتے ہیں تو خطیب انہیں کیا کہے گا! لیکن میں اگر آپ کے سامنے اس کا ذکر نہ کرتا تو یہ خیانت ہوتی۔ اگر آپ نے ابھی تک داڑھی نہیں رکھی تو چاہے آپ کی عمر ساٹھ یا ستر برس کی ہو گئی ہے‘ پھر بھی گھبرائیے نہیں کہ لوگ کیا کہیں گے کہ اب آ کر داڑھی رکھی ہے۔ بلکہ ضرور داڑھی رکھیے! اس لیے کہ حضورﷺ کے ساتھ ہمارے تعلق کا یہ ایک پیمانہ اور آئینہ ہے۔

سب سے بڑی اور مؤکد ترین سنت!

اب آپ حضور ﷺ کی سب سے بڑی (macro) سنّت کی طرف آیئے اور وہ ہے ''دعوت الی اللہ اور اقامتِ دین کی جدوجہد''۔ یہ کام آپؐ نے پورے تیئیس (۲۳) برس مسلسل اور ہمہ وقت انجام دیا ہے۔ صبح بھی کیا ہے، دوپہر بھی کیا ہے، شام بھی کیا ہے اور رات بھی کیا ہے۔ اس سنّت کے بارے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور دو رائیں ممکن ہی نہیں ہیں، جبکہ باقی سنّتوں میں اختلاف ممکن ہے۔ دورانِ نماز رفع الیدین میں اختلاف ہے کہ یہ سنّت ہے یا نہیں۔ احناف کے ہاں رفع الیدین صرف تکبیر اُولیٰ کے ساتھ ایک دفعہ ہے، بعد میں نہیں ہے، جبکہ شوافع، حنابلہ اور اہلِ حدیث کے ہاں رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے بھی رفع الیدین ہے۔ ایک اور اختلاف بھی میرے سامنے آیا ہے۔ شیخ البانیؒ بہت بڑے محدّث اور کئی کتابوں کے مؤلف ہیں۔ اُن کو میں نے دیکھا کہ مغرب سے تقریباً پانچ یا سات منٹ پہلے مسجد نبویؐ میں آئے اور آتے ہی نماز کی نیت باندھ لی۔ مَیں اس پر حیران ہوا۔ ہم تو حدیثِ نبویؐ کے حوالے سے یہی جانتے ہیں کہ فجر کی نماز کے بعد سے لے کر سورج کے پوری طرح طلوع ہو جانے تک کوئی سجدہ یا کوئی نماز نہیں ہے اور عصر کی نماز پڑھ لینے کے بعد سے لے کر سورج کے پوری طرح غروب ہو جانے تک کوئی سجدہ، کوئی نماز نہیں ہے۔ لیکن وہاں معلوم ہوا کہ یہ بھی بعض لوگوں کے نزدیک ایک سنّت ہے۔ کیونکہ یہ بھی حدیثِ نبویؐ ہے کہ جو کوئی مسجد میں داخل ہو وہ دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے بغیر مت بیٹھے۔ یہ دو حدیثیں ایک دوسرے کے مقابل ہیں اور ایسے مواقع پر غور و فکر فقہاء کا کام ہوتا ہے کہ کون سی حدیث قابل ترجیح ہے۔ لیکن وہ سنّت جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے، یعنی سب سے بڑی سنّت، اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

وحی کے آغاز سے لے کر زندگی کے آخری دم تک حضور ﷺ نے دو کام کیے ہیں، دعوت الی اللہ اور اقامتِ دین، اللہ کے دین کو قائم کرنے کی جدوجہد۔ کیا آپؐ کی زندگی کا کوئی لمحہ بھی اس سے خالی تھا؟ آپؐ راتوں کو کھڑے ہو کر دعائیں مانگا کرتے

کہ اے اللہ! عمرو بن ہشام (یعنی ابوجہل) یا عمر بن الخطاب میں سے کسی ایک کو تو میری جھولی میں ڈال دے! ارشادِ الٰہی ہے: ﴿اِنَّ لَکَ فِی النَّھَارِ سَبۡحًا طَوِیۡلًا﴾ (المزمل) ''یقیناً دن کے اوقات میں تو تمہارے لیے (اے محمد ﷺ!) بہت مصروفیات ہیں''۔ تو حضور ﷺ نے اقامتِ دین کے لیے مسلسل محنت و مشقت کی ہے۔ کوئی نعوذ باللہ آپؐ کو مجنون کہہ رہا ہے' کوئی پاگل کہہ رہا ہے' کوئی شاعر کہہ رہا ہے' کوئی ساحر کہہ رہا ہے' کوئی کذّاب کہہ رہا ہے۔ معاذ اللہ' ثم معاذ اللہ۔ کیا کچھ نہیں کہا گیا آپؐ کو! پھر اس تبلیغ دین کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا کیا تکلیفیں نہیں جھیلیں! اقامتِ دین کے لیے کئی سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جانیں دیں تب دین قائم ہوا تھا' یوں ہی گھر بیٹھے نہیں ہو گیا تھا۔ حضور ﷺ خود بھی زخمی ہوئے ہیں۔ غزوۂ اُحد میں آپؐ کے چہرۂ مبارک سے خون کا فوارہ چھوٹا ہے۔ اتنا خون بہا کہ آپؐ بے ہوش ہو گئے اور خبر اڑ گئی کہ آپؐ شہید ہو گئے ہیں' آپؐ کا انتقال ہو گیا ہے۔ یومِ طائف میں آپ ﷺ کے جسمِ اطہر پر پتھراؤ ہوا اور پورا جسم زخمی ہوا۔ ٹخنوں کو خاص طور پر نشانہ بنا کر پتھر مارے گئے تھے۔ یہ سب کچھ کس لیے تھا؟ صرف اور صرف دعوت الی اللہ اور اقامتِ دین کی جدوجہد کے لیے تھا۔

میرے نزدیک یہ ہے آنحضور ﷺ کی سب سے بڑی اور مؤکد سنّت۔ یہ لمحۂ فکریہ ہے کہ اسے آج ہم جانتے ہی نہیں۔ ہم دین کی تبلیغ کیسے کریں گے جبکہ ہمیں خود پتہ نہیں دین کسے کہتے ہیں۔ ایک پٹھان کا لطیفہ مشہور ہے کہ ایک ہندو کے سر پر تلوار رکھ کر کہنے لگا پڑھو کلمہ! اس نے کہا خان صاحب پڑھاؤ! کہنے لگا ''اوہ کلمہ تو ہمیں بھی نہیں آتا!'' تو ہم کسی کو کیا بتائیں گے جبکہ ہم نے خود سیکھا ہی نہیں۔ ہم نے ڈاکٹری پڑھ لی' انجینئرنگ کر لی۔ آج کل ایم ایس سی کمپیوٹر میں دوڑ لگی ہوئی ہے۔ اونچے اونچے اداروں میں تیس تیس ہزار روپے ماہانہ فیس دے کر لوگ پڑھ رہے ہیں۔ لیکن دین کو کوئی نہیں پڑھتا۔ عام تصور یہی ہے کہ یہ تو مولوی کا کام ہے۔ اس کو کچھ تنخواہ دے کر مسجد کا خطیب بنا دیں گے' اللہ اللہ خیر صلا! لیکن جان لیجیے کہ یہ حضور ﷺ کی سب سے

بڑی سنّت ہے جو مسلسل پورے ۲۳ برس رہی ہے۔ ذرا کڑوی بات کر رہا ہوں کہ مکان بنانا حضورﷺ کی سنّت نہیں ہے' آپؐ نے نہیں بنایا۔ جائیداد پیچھے چھوڑنا حضورﷺ کی سنّت نہیں ہے' آپؐ نے کوئی جائیداد نہیں چھوڑی۔ سنّت تو حضورﷺ کے طرزِ عمل کا نام ہے۔ تو کیا آپؐ کی اس سنّت سے ہمارا کوئی تعلق ہے؟ آج سے نوجوان عزم کریں کہ عربی پڑھیں گے' قرآن سمجھیں گے اور دوسروں کو سمجھائیں گے۔ حدیث نبویؐ ہے: ((خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ))(۱) ''تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن کا علم حاصل کرے اور دوسروں کو اِس کی تعلیم دے''۔

اب وقت ہے کہ بڑے بوڑھے جا کر لوگوں سے یہی کہیں کہ بیٹو تم تو خدا کے لیے عربی پڑھو اور دین سیکھو۔ ہم نے تو اپنی زندگیاں گنوا دی ہیں اور اب ہمارے پاس رونے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ لیکن یاد رکھیے یہ رونا بھی بہت قیمتی ہے۔ اللہ اسے قبول کرے! عربی کوئی سنسکرت کی طرح مُردہ زبان نہیں ہے' جبکہ لوگوں نے تو سنسکرت کو بھی زندہ کر دیا۔ اسرائیل جیسے چھوٹے سے ملک میں عبرانی کو زندہ کر دیا گیا' جبکہ عربی تو دنیا میں سب سے بڑے علاقے میں بولی جانے والی زبان ہے' لیکن ہم نہیں پڑھ سکتے' نہیں سمجھ سکتے' حالانکہ اس کے حروفِ تہجی بھی وہی ہیں جو ہماری اردو کے ہیں۔ یہ بھی ہماری اردو کی طرح داہنی طرف سے لکھی جاتی ہے۔ اردو اور سندھی وغیرہ کا کوئی ایک جملہ بھی ایسا نہیں ہو سکتا جس میں عربی کا کوئی لفظ نہ ہو بلکہ ''جملہ'' خود عربی کا لفظ ہے۔ ''لفظ'' بھی عربی کا لفظ ہے۔ اس سب کے باوجود بھی ہم عربی نہیں پڑھ سکتے تو دین کی کیا تبلیغ کریں گے! لیکن مایوس نہ ہوں۔ میدان ہر کسی کے لیے کھلا ہے چاہے کوئی بوڑھا ہو یا جوان۔ جو شخص تبلیغ نہیں کر سکتا وہ کسی ایسی جماعت سے وابستہ ہو کر محنت کرے اور وقت لگائے جو اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لیے جدوجہد کر رہی ہو۔ اس کام میں جہاں داعیوں' مقررین اور مدرسین کی ضرورت ہے وہاں دریاں بچھانے والوں کی بھی تو ضرورت ہے' پوسٹر لگانے والوں کی بھی تو ضرورت ہے! کسی بڑی مشین میں چھوٹا سا

(۱) صحيح البخاري' كتاب فضائل القرآن' باب خيركم من تعلم القرآن وعلمه۔

پرزہ بھی بہت اہم ہوتا ہے۔ وہ اگر خراب ہو جائے تو پوری مشین بے کار کھڑی رہتی ہے۔ تو جو کام بھی کوئی کر سکتا ہو وہ کرے لیکن اس جدوجہد سے فارغ کوئی نہ رہے۔

نکاح کے اعلانِ عام اور مسجد میں انعقاد کا حکم

متذکرہ بالا دو حدیثیں تو عام طور پر خطبۂ نکاح میں پڑھی جاتی ہیں لیکن تیسری حدیثِ نبویؐ کا اضافہ میں نے کیا ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے: ((اَعْلِنُوْا هٰذَا النِّكَاحَ وَاجْعَلُوْهُ فِي الْمَسَاجِدِ))(۱) ''نکاح کا اعلانِ عام کیا کرو اور اسے مسجدوں میں رکھا کرو''۔ حدیث کا اگلا حصہ ہے: ((وَاضْرِبُوْا عَلَيْهِ بِالدُّفُوْفِ)) ''اور نکاح کے موقع پر دف بجایا کرو''۔ چونکہ دورِ نبویؐ میں اعلانِ عام کے لیے اس کے علاوہ کوئی اور ذریعہ نہیں تھا۔ لاؤڈ سپیکر نہیں تھا' کوئی دعوتی کارڈ چھاپنے کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ اسی طرح اخبار نہیں تھا کہ اس میں اطلاع شائع کرا دی جاتی۔ تو اعلانِ عام کے لیے دف بجایا جاتا تھا اور دف کی آواز پر معلوم ہوتا تھا کہ فلاں کی شادی فلاں کے ساتھ ہو رہی ہے اور یہ بات پھیل جاتی۔ میں نے اپنی پانچ بچیوں کی سات دفعہ شادی کی ہے۔ اس لیے کہ ایک بیوہ ہو گئیں تو دوبارہ اُن کا نکاح کیا اور ایک کے لیے خلع لینا پڑا تو اُن کا بھی دوبارہ نکاح کیا۔ بہرحال میں نے پانچ بچیوں کے سات دفعہ نکاح کیے اور اُن کی رخصتی کے وقت میں اپنے آنسو کبھی ضبط نہیں کر سکا۔ نکاح کے موقع پر میں صرف اخبار میں چھوٹا سا اشتہار دے دیتا تھا کہ مسجد جامع القرآن' قرآن اکیڈمی میں میری بچی کا فلاں وقت نکاح ہے' جو تشریف لا سکے اور دعائے خیر میں شریک ہو جائے سر آنکھوں پر' اور جو نہ آ سکے وہ اپنی جگہ دعائے خیر کر دے۔ لہٰذا اب ہمیں دف بجانے کی ضرورت تو نہیں رہی' البتہ مذکورہ بالا حدیثِ نبویؐ کی رو سے ہم مساجد میں نکاح کا اہتمام تو کر سکتے ہیں!

بارك الله لي ولكم في القرآن العظيم ونفعني وإياكم بالآيات والذكر الحكيم

(ترتیب وتسوید: محمد خلیق۔ طارق اسماعیل ملک)

---

(۱) سنن الترمذی' كتاب النكاح عن رسول الله' باب ما جاء في اعلان النكاح۔

تذکیر و موعظت

عہد اور امانت کی پاسداری

تحریر: انجینئر نوید احمد

موضوع کی اہمیت :

عہد اور امانت کی پاسداری ہر انسان کے لئے ایک بنیادی اخلاقی وصف ہے' لیکن ایک ایسی تحریک کے کارکنوں کے لیے جو اقامتِ دین کے لیے کوشاں ہو' اِس کی اہمیت دو چند ہو جاتی ہے۔ اِس قسم کی تحریک کو کامیابی کے لیے باکردار افراد کی ضرورت ہوتی ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ صرف ایسے لوگوں کی قربانی و ایثار قبول کرتا ہے جو متقی ہوں' بالفاظِ قرآنی :

﴿اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ﴾ (المائدۃ)

''بے شک اللہ متقیوں کی طرف سے ہی (قربانی) قبول کرتا ہے۔''

کردار کے حوالے سے تین اہم امور بنیادی اہمیت رکھتے ہیں' یعنی سچائی' ایفائے عہد اور ادائے امانت۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیثِ نبوی ﷺ ہے :

((آیَةُ الْمُنَافِقِ ثَلاثٌ : اِذَا حَدَّثَ کَذَبَ ، وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ ، وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ)) (متفق علیہ) وَزَادَ مُسْلِمٌ : ((وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰی وَزَعَمَ اَنَّـهُ مُسْلِمٌ))

''منافق کی تین علامات ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے اور جب اُس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو خیانت کرے''۔

مسلم کی روایت میں یہ اضافہ ہے: ''خواہ روزہ رکھے اور نماز ادا کرے اور یہ دعویٰ کرے کہ وہ مسلمان ہے۔''

گویا سچائی' ایفائے عہد اور ادائے امانت کی صفات کا کسی انسان میں نہ ہونا منافقت کی علامت ہے۔ نبوت کے ظہور سے قبل نبی اکرم ﷺ کے اعلیٰ کردار کی یہ شان تھی کہ آپ ﷺ ''الصادق'' اور ''الامین'' کے القابات سے مشہور تھے۔ آپ ﷺ کے جدِّ امجد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قرآن نے خوبی بیان کی کہ :

﴿ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ ﴾(مریم : ٥٤)

''بے شک وہ وعدے کے سچے تھے۔''

سورۃ الشعراء میں پانچ رسولوں نے اپنے کردار کی خوبی کا اعلان اِن الفاظ میں کیا کہ :

﴿ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۙ ﴾

''بے شک میں تمہاری طرف امانت دار رسول ہوں۔''

ایفائے عہد

اہمیت :

قرآنِ مجید میں چھ بار ایفائے عہد کا حکم دیا گیا' نو بار ایفائے عہد کرنے والوں کی مدح کی گئی اور پانچ بار عہد شکنی کرنے والوں کی مذمت کی گئی۔ سب سے زیادہ تاکیدی انداز سورۂ بنی اسرائیل میں ہے :

﴿وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ۳۴﴾

''اور عہد کو پورا کرو' یقیناً عہد کے بارے میں باز پُرس ہوگی۔''

اِسی طرح ایک ارشادِ نبوی ﷺ میں سخت وعید ہے :

((لَا دِیْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ)) (البیہقیؒ)

''جو وعدہ پورا نہیں کرتا اُس کا کوئی دین نہیں۔''

عہد کی اقسام

عملی اعتبار سے چار طرح کے عہد ہیں جو ہمیں پورے کرنے ہیں۔

(۱) عہدِ الست (۲) عہدِ رسالت (۳) عہدِ شریعت (۴) عہدِ تنظیم

۱) عہدِ الست (تمام انسانوں کے لیے) :

تمام انسانوں کی ارواح کو تخلیق کے بعد جمع کیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اُن سب سے ایک عہد لیا جسے عہدِ الست کہا جاتا ہے۔ سورۃ الاعراف میں اس عہد کا ذکر بایں الفاظ کیا گیا ہے:

﴿وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰی ۛ شَهِدْنَا ۛ اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا

كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾

''اور جب تمہارے ربّ نے بنی آدم سے یعنی اُن کی پیٹھوں سے اُن کی اولاد نکالی تو اُن سے خود اُن کے اُوپر عہد لیا کہ کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں؟ وہ کہنے لگے کہ کیوں نہیں، ہم گواہ ہیں۔ یہ ہم نے اس لئے کیا کہ کہیں قیامت کے دن یوں نہ کہنے لگو کہ ہمیں تو اِس کی خبر ہی نہ تھی، یا یہ نہ کہنے لگو کہ شرک تو پہلے ہمارے بڑوں نے کیا تھا اور ہم تو اُن کی اولاد تھے جو اُن کے بعد پیدا ہوئے، تو کیا جو کام اہلِ باطل کرتے رہے اُس کے بدلے تو ہمیں ہلاک کرتا ہے؟''

اس عہد کی وجہ سے توحید کا تصور ہر انسان کے باطن میں ودیعت شدہ ہے اور اُس کے پاس شرک کرنے کے لیے کوئی جواز نہیں۔ اِسی لیے شرک ایسا گناہ ہے جس کی اللہ کے ہاں معافی نہیں، اِلّا یہ کہ انسان سچی توبہ کرلے۔ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ﴾

(النساء:۴۸، ۱۱۶)

''اللہ یہ کبھی معاف نہیں کرے گا کہ اُس کے ساتھ (کسی کو) شریک کیا جائے، اُس کے سوا جس گناہ کو چاہے گا معاف کردے گا۔''

اِس عہد کی رُو سے ہر انسان پر لازم ہے کہ وہ شرک کی جملہ صورتوں سے اجتناب کرے۔ اِس حوالے سے حقیقت و اقسامِ شرک کے موضوع پر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے لیکچرز سے استفادہ انتہائی مفید رہے گا۔

۲) عہدِ رسالت (انبیاء پر ایمان رکھنے والوں کے لیے) :

جس طرح تمام انسانوں کی ارواح سے عہدِ الست لیا گیا، اسی طرح ایک خصوصی عہد تمام انبیاء سے لیا گیا۔ اس عہد کا ذکر سورۃ آل عمران اور سورۃ الاحزاب میں کیا گیا ہے۔ سورۃ الاحزاب میں ارشاد ہے:

﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۠ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۷﴾ لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۸﴾﴾

''اور جب ہم نے انبیاء سے عہد لیا اور آپؐ سے اور نوحؑ سے اور ابراہیمؑ سے اور موسیٰؑ سے اور مریم کے بیٹے عیسیٰؑ سے' اور عہد بھی ان سے پکّا لیا' تا کہ (اللہ) سچ کہنے والوں سے اُن کی سچائی کے بارے میں دریافت کرے' اور اُس نے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

سورۃ آل عمران میں فرمایا گیا:

﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾

''اور جب اللہ نے انبیاء سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور دانائی عطا کروں پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے جو تمہارے پاس موجود کتاب کی تصدیق کرے تو تمہیں ضرور اُس پر ایمان لانا ہوگا اور ضرور اُس کی مدد کرنی ہوگی' اور (عہد لینے کے بعد) پوچھا کہ بھلا تم نے اقرار کیا اور اُس پر میرا عہد قبول کیا؟ انہوں نے کہا (ہاں) ہم نے اقرار کیا' (اللہ نے) فرمایا کہ تم گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔ پھر جس نے اِس سے پہلوتہی کی وہی لوگ فاسق ہیں۔''

کسی نبی کے لیے اِس کا امکان نہیں کہ وہ اللہ سے کیے گئے عہد سے پہلوتہی کرے۔ لہٰذا یہاں انبیاء کی وساطت سے انبیاء کے ماننے والوں کا ذکر ہے۔ اور گویا یہ عہد تمام انبیاء کے ماننے والوں پر بھی لازم ہے۔ اس عہد کی رُو سے کسی بھی نبی پر ایمان لانے والے کو دو تقاضے ادا کرنے ہیں :

۱) ہر نبی پر ایمان لانا اور کسی ایک کا بھی انکار نہ کرنا۔ جیسے اسی سورۃ آل عمران ہی کی آیت ۸۴ میں فرمایا گیا: ﴿لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ﴾ (ہم اُن میں سے کسی ایک کا بھی انکار نہیں کرتے)۔ اگر کسی ایک نبی کا بھی انکار کیا تو ایسا کرنے والا پکا کافر قرار پائے گا۔

ازروئے الفاظِ قرآنی:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۵۱﴾

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۵۲﴾ (النساء)

''جو لوگ اللہ اور اُس کے رسولوں کا کفر کرتے ہیں اور اللہ اور اُس کے رسولوں میں فرق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور وہ ایمان اور کفر کے درمیان ایک راہ نکالنا چاہتے ہیں' وہ بلاشبہ پکے کافر ہیں' اور کافروں کے لیے ہم نے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

۲) رسولوں کی نصرت کرنا' یعنی اُن کے مشن میں دست و بازو بننا۔ ہر رسول کا مشن تھا نوعِ انسانی پر اتمامِ حجت کرنا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿رُسُلاً مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ﴾ (النساء:۱۶۵)

''رسولوں کو (اللہ نے) خوشخبری سنانے والے اور خبردار کرنے والے (بنا کر بھیجا تھا)' تاکہ رسولوں کے آنے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے سامنے کوئی حجت نہ رہے۔''

نبی کریم ﷺ نے یہ حجت تین پہلوؤں سے قائم فرمائی :

۱) اپنے ذاتی کردار کا اعلیٰ نمونہ پیش کر کے ہمیں بھی اپنے کردار کا ایسا نقشہ پیش کرنا ہے کہ لوگ محسوس کریں کہ ہمارے قول و فعل میں کوئی تضاد نہیں۔

۲) اپنے قول کے ذریعہ: ہمیں بھی تبلیغ کا حق ادا کرنے کی کوشش کرنا ہوگی۔ اِس کے لیے ہمیں تمام جدید ذرائع بھی استعمال کرنا ہوں گے اور جن ذرائع سے شیطان شر پھیلا رہا ہے ہمیں اُنہی سے خیر پھیلانا ہوگا۔

۳) عادلانہ نظام کے قیام کے لیے اجتماعی جدوجہد کے ذریعہ: اقامتِ دین کے ہدف کا حصول بغیر اجتماعی جدوجہد کے ممکن نہیں۔ یہ جدوجہد آسان نہیں۔ مختلف مزاج کے لوگوں کو ساتھ لے کر چلنا اور بار بار اپنی خواہش کے برعکس نظم کے تقاضے پورے کرنا انتہائی کٹھن کام ہے۔ لیکن نوعِ انسانی پر اتمامِ حجت کے لیے ایسا کرنا ناگزیر ہے۔

عہدِ رسالت کا تقاضا ہے کہ ہم اپنے قول و عمل اور غلبۂ دین کی اجتماعی جدوجہد کے ذریعہ لوگوں کے سامنے دینِ حق کی گواہی دینے کا فریضہ ادا کریں تاکہ روزِ قیامت سرخرو ہو سکیں۔ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو نہ صرف اپنی بے عملی بلکہ دوسروں کی گمراہی کا الزام بھی ہم پر

آئے گا۔

۳)عہدِ شریعت (مسلمانوں کے لیے) :

اِس عہد کی پابندی کلمہ پڑھنے والے ہر مسلمان پر ہے۔کلمہ پڑھنا دراصل اللہ سے ایک عہد کرنا ہے جس کا ذکر قرآنِ حکیم میں اِس طرح ہے :

﴿وَ قَدْ اَخَذَ مِیْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝۸﴾ (الحدید)

''اور وہ (اللہ) لے چکا ہے تم سے ایک عہد اگر تم مؤمن ہو۔''

اور فرمایا:

﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَمِیْثَاقَهُ الَّذِیْ وَاثَقَكُمْ بِهٖۤ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ﴾ (المائدۃ : ۷)

''اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو تم پر ہوئی اور اس عہد کو جس کے ذریعہ اُس (اللہ) نے تمہیں پابند کر دیا جب تم نے کہا ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اور (اب) بچو اللہ کی نافرمانی سے۔''

اِس آیت میں نعمت سے مراد احکامِ شریعت ہیں جن پر عمل کر کے دنیا جنت نظیر بن جاتی ہے۔ میثاق سے مراد عہدِ شریعت ہے' یعنی کلمہ پڑھ کر ہم اس بات کا عہد کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جو حکم دیں گے ہم سنیں گے' مانیں گے اور عقل کو ایک طرف رکھ دیں گے۔ بقول اقبال :۔

اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اِسے تنہا بھی چھوڑ دے!

عقل کا لغوی مفہوم ہے روکنا' لہٰذا وہ دُنیوی نقصان سے بچانے کی کوشش کرے گی' لیکن بقول اقبال :۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی!

قرآنِ حکیم میں احکامِ شریعت کے معاملے میں سمع و طاعت کی روش اختیار کرنے والوں کی مدح اس طرح بیان ہوئی :

﴿اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِیَحْكُمَ بَیْنَهُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝﴾ (النور)

''مؤمنوں کی بات تو بس یہ ہے کہ جب اُنہیں اللہ اور اُس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کر دیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے (حکم) سن لیا اور مان لیا' اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''

احکامِ شریعت میں حقوق اللہ بھی ہیں اور حقوق العباد بھی۔ عہدِ شریعت کا تقاضا ہے کہ یہ دونوں حقوق ادا کیے جائیں' یعنی پورے کے پورے اسلام پر عمل کیا جائے۔

جملہ معاملاتِ انسانی تین طرح کے وعدوں پر مشتمل ہیں :

۱) اپنے آپ سے عہد کرنا' جیسے نیکی کا ارادہ کرنا' گناہوں پر توبہ کرنا' کوئی قسم اُٹھا کر یا کوئی نذر مان کر پوری کرنا وغیرہ۔

۲) بندوں سے تحریری یا غیر تحریری عہد' مثلاً حقوق العباد کی ادائیگی' جیسے والدین' اولاد' شوہر و بیوی' اساتذہ اور پڑوسیوں وغیرہ کے حقوق' ملازمت' کاروبار یا دیگر پیشہ ورانہ معاہدات وغیرہ۔

۳) اللہ سے عہد۔ کلمہ پڑھ کر ہم نے اللہ کے ساتھ جنت کے عوض مال اور جان لگانے کا سودا کر لیا ہے۔ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ ؕ﴾ (التوبۃ :۱۱۱)

''اللہ نے مؤمنوں سے اُن کی جانیں اور اُن کے مال خرید لیے ہیں (اور اس کے) عوض میں اُن کے لیے جنت (تیار کی) ہے' یہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں تو قتل کرتے بھی ہیں اور قتل کیے بھی جاتے ہیں۔''

اِس عہد کا تقاضا ہے کہ قتال فی سبیل اللہ کے مرحلہ تک پہنچنے کی بھرپور تیاری کی جائے۔ انفرادی زندگی بسر کرنے سے یہ مرحلہ کبھی نہیں آئے گا۔ اِس کے لیے ضروری ہے کہ اقامتِ دین کی جدوجہد میں مصروف کسی جماعت سے وابستہ ہو کر فعال طریقہ سے کام کیا جائے تاکہ تحریک تصادم کے مرحلہ تک پہنچ سکے۔ نبی اکرم ﷺ نے پندرہ برس تک یہ تیاری کی۔ دعوت کے ذریعہ ایک جماعت فراہم کی اور تربیت کے ذریعہ اُسے مستحکم کیا۔ نبوت کے ظہور کے پندرہ برس بعد پھر بدر کے معرکہ سے قتال فی سبیل اللہ کا سلسلہ شروع ہوا۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے :

((مَنْ مَّاتَ وَ لَمْ یَغْزُ وَلَمْ یُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسَهٗ مَاتَ عَلٰی شُعْبَةٍ مِّنْ

نِفَاقٍ))(صحیح مسلم)

''جسے موت آئی اِس حال میں کہ اُس نے نہ جنگ کی اور نہ اس کے دل میں کبھی اِس کی خواہش پیدا ہوئی تو گویا وہ نفاق کی ایک شاخ پر مرا۔''

اللہ سے کیے گئے عہد کو پورا کرنے کے لیے اقامتِ دین کے مقصد کے لیے قائم کسی اجتماعیت میں شمولیت ضروری ہے۔ارشادِ نبوی ﷺ ہے :

((آمُرُکُمْ بِخَمْسٍ : بِالْجَمَاعَةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ)) (سنن الترمذی۔ ومسند احمد)

''میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں : جماعت اختیار کرنے کا' سننے کا' اطاعت کرنے کا' ہجرت کرنے کا اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا''۔

جبکہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

((اِنَّهٗ لَا اِسْلَامَ اِلَّا بِجَمَاعَةٍ وَلَا جَمَاعَةَ اِلَّا بِاِمَارَةٍ وَلَا اِمَارَةَ اِلَّا بِطَاعَةٍ))(سنن الدارمی)

''یقیناً اسلام ہے ہی نہیں بغیر جماعت کے اور جماعت ہے ہی نہیں بغیر امارت کے اور امارت ہے ہی نہیں بغیر (امیر کے احکام کی) اطاعت کے''۔

عہدِ شریعت کو پورا کرنے کے لیے ہم تنظیم اسلامی میں شامل ہیں۔ تنظیم میں شمولیت کا عہد ہم سے کچھ تقاضے کرتا ہے جس کی تفصیل آگے بیان کی جارہی ہے۔ اکثر رفقائے تنظیمِ اسلامی ایک اور اجتماعی ادارے مرکزی انجمن خدام القرآن یا اس کی کسی ذیلی شاخ کے بھی رکن ہیں۔ یہ رکنیت اختیار کرتے ہوئے ہم تحریری طور پر ماہانہ مالی تعاون کا عہد کرتے ہیں۔ہمیں اِس عہد کو ہر ماہ پورا کرنا چاہیے اور انجمن کی طرف سے کسی یاددہانی کے خط کا انتظار نہیں کرنا چاہیے۔

۴) عہدِ تنظیم (رفقائے تنظیم اسلامی کے لیے) :

بیعت سمع و طاعت کا تقاضا ہے کہ مطالباتِ بیعت پورے کیے جائیں۔ یہ مطالباتِ بیعت تنظیمِ اسلامی کے نظام العمل میں ''رفیقِ تنظیم اسلامی کے مطلوبہ اوصاف'' کے عنوان سے دیے گئے ہیں :

۱) ایمان و یقین کی پختگی کے لیے غور و فکر کے ساتھ روزانہ قرآنِ مجید کی تلاوت کرنا اور باقاعدگی سے درسِ قرآن کی محافل میں شریک ہونا۔

۲) نصب العین کا جائزہ لینے کے لیے مسلسل مراقبہ کرنا کہ کیا واقعی مقصدِ حیات اللہ کی رضا اور آخرت کی فلاح ہے' نماز اور قربانی کی طرح جینا اور مرنا صرف اللہ کے لیے ہے! اِس اعتبار سے روزانہ ذاتی احتسابی رپورٹ بھرنا بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔

۳) عقائد کی درستی. یعنی کلمۂ شہادت کے تقاضوں کو اچھی طرح سمجھنا۔ اللہ' یومِ آخرت' فرشتوں' اللہ کی کتابوں' اُس کے رسولوں' تقدیر اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر یقین رکھنا' اللہ تعالیٰ ہی سے دعا کرنا اور اِس کے سوا کسی کو کارساز نہ ماننا۔ زندگی کے جملہ معاملات میں نبی کریم ﷺ کی اطاعت کرنا۔

۴) اعمال کی درستی کے لیے سابقہ زندگی کے تمام گناہوں پر دلی شرمندگی کے ساتھ اللہ سے مغفرت مانگنا اور آئندہ کے لیے پورے خلوص کے ساتھ توبہ کرنا۔ فرائض اور واجبات کا اہتمام کرنا' اتباعِ نبوی ﷺ کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کرنے کی کوشش کرنا۔ معاشرت میں شرعی پردے کو اختیار کرنا۔ معیشت میں سود' جوئے اور دیگر حرام ذرائع آمدنی سے اجتناب کرنا۔

۵) علمِ دین میں اضافہ کے لیے چھ ماہ کے اندر اندر ہفت روزہ تربیت گاہ میں شرکت کرنا اور تربیتی و تدریسی نصاب کی جلد از جلد تکمیل کرنا۔ قرآنِ مجید کی قواعدِ تجوید کے ساتھ تلاوت کی مشق کرنا۔ احادیث مبارکہ' سیرۃ النبی ﷺ' سیرتِ صحابہؓ اور تحریکی لٹریچر کا مطالعہ کرنا۔ اپنی فکر کو صحیح بنیادوں پر مستحکم کرنے کے لیے الہدیٰ سیریز کے ۴۴ لیسٹس کی سماعت کو اولین اہمیت دینی چاہیے۔

۶ دعوتِ دین کے لیے ذاتی حیثیت میں پورے دین پر عمل کی دعوت دینے والا بننا اور اِس ضمن میں انسانی ہمدردی کے جذبہ کو پیشِ نظر رکھنا۔ دعوت کا آغاز اہلِ خانہ سے کر کے اِسے درجہ بدرجہ آگے بڑھانا۔

۷) نظم کی پابندی (Discipline) کے لیے اجتماعات میں پابندی سے شرکت کرنا اور کسی شرعی مجبوری کی صورت میں باقاعدہ رخصت حاصل کرنا۔ امیرِ تنظیم اسلامی کی تقاریر اور خطاباتِ جمعہ سننے کا اہتمام کرنا۔ تنظیمی رسالوں ماہنامہ ''میثاق'' اور ہفت روزہ ''ندائے خلافت'' کا باقاعدگی سے مطالعہ کرنا۔

۸) جان سے جہاد' یعنی دعوتی اور تنظیمی سرگرمیوں کے لیے روزانہ اوسطاً ڈیڑھ گھنٹہ صرف کرنے کی کوشش کرنا۔

۹) مال سے جہاد یعنی اپنی آمدنی (Take Home Income) کا ایک مخصوص حصہ انفاق فی سبیل اللہ کے طور پر ادا کرنا۔ مطلوب یہ ہے کہ ہر رفیق اپنی آمدنی کا کم از کم پانچ فیصد ادا کرنے کی کوشش کرے۔ یہ بات ملحوظ رہے کہ تنظیم اپنے تمام اخراجات کے لیے صرف رفقاء کے انفاق پر ہی انحصار کرتی ہے۔

۱۰) اختلافِ رائے اور تنقید کے حوالے سے اخلاقی آداب کا خیال رکھنا۔ حق بات ضرور کہنا لیکن خیر خواہی کے جذبے کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا۔ اپنے باطن کا وقتاً فوقتاً جائزہ لیتے رہنا کہ شیطانی وساوس کے ذریعے تنظیم کے ساتھیوں اور ذمہ داروں کے خلاف دل میں نفرت نہ پیدا ہو جائے۔

ادائے امانت

اہمیت :

قرآن مجید میں تین بار ادائے امانت کا حکم دیا گیا' چودہ بار ادائے امانت کرنے والوں کی مدح کی گئی اور نو بار خیانت کرنے والوں کی مذمت کی گئی۔ سورۃ النساء' آیت ۵۸ میں مثبت انداز سے حکم دیا گیا :

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا﴾

''بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں اُن کے حوالے کر دیا کرو۔''

سورۃ الانفال' آیت ۲۷ میں منفی اسلوب کے ساتھ فرمایا گیا :

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾﴾

''اے ایمان والو! خیانت نہ کرو اللہ اور رسولؐ کے ساتھ اور خیانت نہ کرو اپنی امانتوں میں جبکہ تم جانتے ہو۔''

اِسی طرح سے ایک ارشادِ نبوی ﷺ میں سخت وعید ہے :

((لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهٗ)) (البیہقیؒ)

''جو امانت کی پاسداری نہیں کرتا اُس کا ایمان ہی نہیں۔''

امانت کی صورتیں :

امانت کی کئی صورتیں ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں :

۱) کسی کی طرف سے حوالے کی ہوئی کوئی شے رقم یا جنس کی صورت میں۔ اِس امانت کو بغیر کسی استفادے کے اصل صورت میں لوٹا دینا۔

۲) کسی کا کوئی راز جو ہمارے علم میں ہو۔

۳) کسی کا کوئی عیب یا کمزوری جو ہمارے علم میں ہو۔ اگر ہم کسی کی کمزوری چھپائیں گے تو اللہ ہماری کمزوریوں کی پردہ پوشی فرمائے گا، کیونکہ وہ ''سَتَّارُ الْعُیُوْبِ'' ہے۔

۴) کسی کے لیے مشورہ جو ہم سے طلب کیا جائے۔ مشورہ ہمیشہ صحیح دیا جائے، غلط رہنمائی نہ کی جائے اور نہ کوئی حقیقت چھپائی جائے۔

۵) کسی کے حق میں رائے جو ہمیں دینی ہو۔ رائے یا ووٹ ہمیشہ تعصّبات اور مفادات سے بالاتر ہو کر دینا چاہیے۔

۶) کسی کے ساتھ لین دین، خواہ وہ قرض کی صورت میں ہو یا تجارت کی صورت میں۔ حدیثِ نبوی ﷺ ہے :

((اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ))

(سنن الترمذی)

''سچا اور امانت دار تاجر (روزِ قیامت) انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔''

۷) کسی مجلس کی خصوصی کارروائی جسے عام کرنا خلافِ مصلحت ہو۔

۸) کسی معاملہ کی گواہی۔ موجودہ دور میں اِس امانت کی ادائیگی کافی مشکل ہے۔ کسی معاملہ کے گواہوں کو تحفظ حاصل نہیں ہوتا۔ ﴿لاَ یُضَآرَّ کَاتِبٌ وَّلاَ شَھِیْدٌ﴾ (نقصان نہ پہنچایا جائے کاتب اور گواہ کو) کی ہدایتِ قرآنی پر عمل نہیں ہو رہا۔ ایسے میں اگر کسی مہلک نقصان کا خطرہ ہو تو رخصت یہ ہے کہ انسان گواہی نہ دے۔ البتہ عزیمت یہی ہے کہ گواہی دی جائے۔ سورۃ البقرۃ، آیت ۲۸۳ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿وَلا تَکْتُمُوا الشَّھَادَۃَ ط وَمَنْ یَّکْتُمْھَا فَاِنَّہٗ اٰثِمٌ قَلْبُہٗ ط﴾

''اور گواہی کو مت چھپاؤ، جو اُس کو چھپائے گا وہ دل کا گنہگار ہوگا۔''

گواہی کے حوالے سے اُمتِ مسلمہ پر ایک اہم ذمہ داری ''شہادت علی الناس'' کی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّ سَطاً لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ﴾ (البقرۃ :۱۴۳)

''اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک درمیانی امّت بنایا کہ تم گواہ بن جاؤ لوگوں پر اور رسول گواہ بن جائیں تم پر۔''

''شہادت علی الناس'' کا مفہوم ہے لوگوں پر گواہی دینا۔ یعنی قول و عمل کے ذریعہ دینی تعلیمات کی گواہی کا حق ادا کر کے نوعِ انسانی پر حجت تمام کرنا' تاکہ وہ روزِ قیامت اللہ کے سامنے اپنی بے عملی کا کوئی جواز پیش نہ کر سکے۔ اولاً یہ ذمہ داری نبی اکرم ﷺ کی تھی اور آپ ﷺ اپنی سیرت و کردار' تبلیغ اور اقامتِ دین کی کٹھن جدوجہد کے ذریعہ ہم پر اتمامِ حجت فرما کر سرخرو ہو گئے۔ اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ اپنے قول و عمل اور غلبۂ دین کی اجتماعی جدوجہد کے ذریعہ ''شہادت علی الناس'' کا فریضہ ادا کریں۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو ہم بھی روزِ قیامت سرخرو ہو جائیں گے۔ بصورتِ دیگر ہم ایسے مجرم ثابت ہوں گے کہ نہ صرف اپنی کوتاہی بلکہ دوسروں کی گمراہی کا وبال بھی ہمارے سر آئے گا۔ روزِ قیامت لوگ الزام لگائیں گے کہ یہ دین کے وہ نام لیوا ہیں جو اپنے سیرت و کردار کی وجہ سے دین کی قبولیت کی راہ میں رکاوٹ بن گئے تھے۔

۹) اللہ کا عطا کردہ مال و اسباب اور صلاحیت۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے :

﴿وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ؕ﴾ (الحدید : ۷)

''اور خرچ کرو ہر اُس شے میں سے جس پر تمہیں خلافت یعنی عارضی اختیار دیا گیا ہے۔''

بقول شاعر: ؎

ایں امانت چند روزہ نزدِ ماست
درحقیقت مالکِ ہر شے خدا ست

اور: ؎

جان دی ' دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا!

۱۰) اولاد اللہ کی عطا کردہ امانت ہے' جس کی اچھی تربیت ہماری ذمہ داری ہے اور جس کے بارے میں روزِ قیامت ہم سے سوال ہوگا۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((اَلَا کُلُّکُمْ رَاعٍ وَّکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِیَّتِہٖ))(متفق علیہ)

''جان لو کہ تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور اُس سے اُس کے ماتحت لوگوں کے بارے میں سوال ہوگا''۔

اولاد انسان کا ثمر ہے اور اُس کی اصل سوچ اور اقدار (values) کا اندازہ اُس کی اپنی اولاد کے بارے میں تمناؤں اور منصوبہ بندی سے ہوتا ہے۔ ہمیں اولاد کی صرف دُنیوی ضروریات ہی کی نہیں بلکہ اُخروی نجات کی بھی فکر کرنی چاہیے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے :

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا وَّقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ﴾ (التحریم : ٦)

''اے مؤمنو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو (جہنم کی) آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔''

۱۱) منصب خواہ دُنیوی عہدہ ہو یا دینی ذمہ داری، جیسے تنظیم میں نقیب، امیر یا کسی شعبہ کی نظامت وغیرہ، ہمیں بحیثیت امیر یا مامور اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنا چاہیے اور اُنہیں ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

۱۲) انسانی وجود میں روح بھی اللہ کی ایک امانت ہے جس کا ذکر قرآنِ حکیم میں اِس طرح ہوا:

﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَھَا وَاَشْفَقْنَ مِنْھَا وَحَمَلَھَا الْاِنْسَانُ ط اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَھُوْلًا﴾ (الاحزاب)

''ہم نے (بارِ) امانت کو آسمانوں اور زمین پر پیش کیا تو اُنہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اُس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھا لیا، بیشک وہ ظالم اور جاہل تھا۔''

ہمارا جسم مٹی سے بنا ہے اور اِس کی تمام ضروریات اور تسکین کا سامان بھی اِسی مٹی سے وجود میں آتا ہے۔ روح اللہ کے پاس سے آئی ہے اور اِس کی تسکین بھی اللہ کے ذکر اور اُس کی نازل کردہ وحی سے ہوتی ہے۔ جسم کے تقاضے تو ہم خوب پورے کرتے ہیں لیکن روح کی تسکین کے تقاضے فراموش کر دیتے ہیں۔ بقول اقبال :۔

اس پیکرِ خاکی میں اِک شے ہے سو وہ تیری
میرے لیے مشکل ہے اس شے کی نگہبانی!

روح کی تسکین کے لیے ضروری ہے کہ رات میں اُٹھ کر تہجد کا اہتمام کیا جائے اور اِس میں ٹھہر

ٹھہر کر قرآنِ حکیم کی تلاوت کی جائے۔

۱۳) ہمارے پاس سب سے عظیم امانت اللہ کی کتاب قرآنِ حکیم ہے۔ یہ امانت اللہ کے رسول ﷺ نے ہمارے حوالے کی ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع میں آپ ﷺ نے فرمایا :

((وَقَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ كِتَابُ اللّٰهِ))(صحيح مسلم، كتاب الحج، باب حجة النبی ﷺ)

''اور میں تمہارے درمیان ایسی شے چھوڑے جا رہا ہوں کہ جب تک تم اِس سے چمٹے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے، یعنی کتاب اللہ''۔

اِس عظیم امانت کے حوالے سے ہماری ذمہ داریوں کو نبی اکرم ﷺ نے یوں بیان فرمایا :

((يَا اَهْلَ الْقُرْآنِ لَا تَتَوَسَّدُوا الْقُرْآنَ وَاتْلُوْهُ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ آنَاءَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَافْشُوْهُ وَتَغَنَّوْ بِهٖ وَتَدَبَّرُوْا مَافِيْهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ وَلَا تَعَجَّلُوْا ثَوَابَهٗ فَاِنَّ لَهٗ ثَوَابًا)) (كنزالعمال)

''اے قرآن والو! قرآن کو اپنا تکیہ اور سہارا نہ بنالو، بلکہ دن اور رات کے اوقات میں اس کی تلاوت کیا کرو جیسا کہ اس کا حق ہے اور اس کو پھیلاؤ اور اس کو خوش الحانی سے پڑھا کرو اور اس میں تدبر کرو، اُمید رکھو کہ تم اس سے فلاح پا جاؤ گے۔ اور اس کے ثواب کے حوالے سے جلدی نہ کرو، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا عظیم ثواب (اپنے وقت پر) ملنے والا ہے''۔

۱۴) اقامتِ دین کی جدوجہد اور اس کے لیے برعظیم میں چار سو سالہ تجدیدی مساعی کی امانت ہمارے کاندھوں پر ہے۔ پچھلے چار سو سال میں دینِ اسلام کی تجدید اور احیاء کے حوالے سے جو شخصیات برعظیم میں گزریں اُن کی مثال عالمِ اسلام کے دوسرے حصوں میں نظر نہیں آتی۔ گیارہویں صدی میں شیخ احمد سرہندیؒ، بارہویں صدی میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ تیرہویں صدی میں سید احمد شہید بریلویؒ اور چودہویں صدی میں شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ۔ علامہ اقبال جیسا مفکر، مولانا مودودیؒ جیسا مصنف اور مولانا الیاسؒ جیسا مبلغ صرف اِسی خطہ میں پیدا ہوا، جس خطہ کے بارے میں اقبال نے کہا: ؎

میرِ عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے
میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے!

اب اِحیائے اِسلام کی اِس تحریک کو آگے سے آگے بڑھانا ہماری ذمہ داری ہے۔

حرفِ آخر :

ایفائے عہد اور ادائے امانت کی مذکورہ بالا تفصیلات ظاہر کرتی ہیں کہ وعدوں اور امانتوں کے حوالے سے ذمہ داریوں کا بھاری بوجھ ہمارے کاندھوں پر ہے۔ اگر ہم نے یہ ذمہ داریاں ادا کرنے کی اپنی سی کوشش کی تو سرخرو ہو جائیں گے' ورنہ ((لَا دِیْنَ لِمَنْ لَا عَھْدَ لَهٗ وَلَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهٗ)) کے ارشادِ نبوی ﷺ کی رُو سے نہ ہمارا دین سلامت ہے اور نہ ایمان۔ پھر اندیشہ ہے کہ کہیں ہمارا شمار منافقین میں نہ ہو جائے۔ عہد شکنی اور امانت میں خیانت منافق کی علامات میں سے ہیں۔

دعا ہے کہ عہد اور امانت کے حوالے سے اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے مشن میں اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے۔ ذاتِ باری تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ ضرور ہماری مدد فرمائے گا' بشرطیکہ ہم بھی اُس کے دین کی خدمت کے لیے کمر کس لیں۔ اُس کا وعدہ ہے :

﴿اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ﴾ (محمد : ۷)

''اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا۔''

﴿وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ﴾ (الحج : ٤٠)

''اور اللہ ضرور مدد کرے گا اُس کی جو اللہ کی مدد کرے گا۔''

بقولِ شاعر ؎

جو تجھ سے عہدِ وفا استوار رکھتے ہیں
علاجِ گردشِ لیل و نہار رکھتے ہیں!

ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ مایوس وہ ہو جو کچھ نہیں کر رہا۔ ہمیں اپنی سی کوشش کرنی ہے اور اِس کے لیے ذرا سی ہمت کی ضرورت ہے۔ اقبال اپنی نظم ''جوابِ شکوہ'' میں ہمیں حوصلہ دیتا ہے کہ:

چشمِ اقوام سے مخفی ہے حقیقت تیری
ہے ابھی محفلِ ہستی کو ضرورت تیری
زندہ رکھتی ہے زمانے کو حرارت تیری
کوکبِ قسمتِ اِمکاں ہے خلافت تیری
وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اِتمام ابھی باقی ہے!

❁❁❁

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی خدماتِ حدیث

تحریر: عبدالرشید عراقی

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (م۱۰۵۲ھ) اور حضرت امامِ ربانی شیخ احمد سرہندی المعروف مجدد الف ثانی (م۱۰۳۴ھ) کے بعد برعظیم (پاک و ہند) میں ایک اور ہستی نے جنم لیا، جس نے تجدید واحیائے دین کے سلسلہ میں وہ عظیم الشان کارنامے انجام دیے جن کا تذکرہ ان شاء اللہ العزیز رہتی دنیا تک رہے گا۔ وہ شخصیت حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ (م۱۱۷۶ھ) کی تھی۔ آپ نے دینِ اسلام کی نشر واشاعت اور توحید وسنت کی ترقی وترویج اور شرک و بدعات ومحدثات کی تردید وتوبیخ کے سلسلہ میں جو عظیم الشان کام کیا، اس کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ اس کی مثال تاریخ میں مشکل ہی سے ملے گی۔ اُس وقت ملک کی حالت مذہبی اعتبار سے اس قدر پراگندہ تھی کہ اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں:

> ''شرک اور بُت پرستی مختلف ناموں سے مسلمانوں میں گھر کر چکی تھی۔ قبروں اور مُردوں کے متعلق ایک مستقل شریعت بن گئی تھی، جس کے واجبات اور مستحبات ہیں۔ ان سے دعا مانگنا، بوسہ دینا، چادریں چڑھانا، منتیں ماننا، قربانیاں کرنا، طواف کرنا، گانا بجانا، میلہ لگانا، تہوار منانا، چراغاں کرنا، عورتوں کا وہاں جمع ہونا وغیرہ اس شریعت کے خاص اجزاء ہیں۔ غرضیکہ مذہب کے نام پر وہ ساری چیزیں مسلمانوں میں پیدا ہو چکی تھیں جو یہودیوں اور نصرانیوں وغیرہ کے ہاں پائی جاتی تھیں۔ مذہب کے رسوم و رواج مسلم ثقافت کے دامن میں جگہ پا چکے تھے''۔ (سید احمد شہید: ص۴۵، ۴۶)

مذہبی اور اخلاقی اعتبار سے ملک کی حالت ابتر سے ابتر ہو گئی تھی اور مسلمانوں کی حالت خاص طور پر ناگفتہ بہ تھی۔ محترمہ ڈاکٹر ثریا ڈار صاحبہ نے ایک امریکی مصنف ڈاکٹر لوتھراپ

سٹارڈرڈ کی کتاب ''دی نیو ورلڈ آف اسلام'' سے یہ عبارت نقل کی ہے:

''اٹھارہویں صدی تک اسلامی دنیا اپنے ضعف کی انتہا تک پہنچ چکی تھی۔ صحیح قوت کے آثار کسی جگہ نہیں پائے جاتے تھے۔ ہر جگہ جمود و تنزل نمایاں تھا۔ آداب و اخلاق قابل نفرت تھے۔ فی الجملہ اسلام کی جان نکل چکی تھی اور وہ محض بے روح رسومات اور مبتذل توہّمات کے سوا کچھ نہ رہا تھا۔ اگر محمد ﷺ پھر دنیا میں آتے تو اپنے پیروؤں کے ارتداد اور بُت پرستی پر بیزاری کا اظہار فرماتے''۔

(شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اور ان کی علمی خدمات: ص ۶۳)

مولانا سید سلیمان ندویؒ نے اُس دَور کے مسلمانوں کی مذہبی حالت کا نقشہ درج ذیل الفاظ میں کھینچا ہے:

''مغلیہ سلطنت کا آفتاب لبِ بام تھا۔ مسلمانوں میں رسوم و بدعات کا زور تھا۔ جھوٹے فقراء اور مشائخ جابجا اپنے بزرگوں کی خانقاہوں میں مسند بچھائے اور اپنے بزرگوں کے مزاروں پر چراغ جلائے بیٹھے تھے۔ مدرسوں کا گوشہ گوشہ منطق و حکمت کے ہنگاموں سے پُر شور تھا۔ فقہ و فتاویٰ کی لفظی پرستش ہر مفتی کے پیش نظر تھی۔ مسائلِ فقہ میں تحقیق و تدقیق سب سے بڑا مذہبی جرم تھا۔ عوام تو عوام، خواص تک قرآن پاک کے معانی و مطالب اور احادیث کے احکام و ارشادات اور فقہ کے اسرار و مصالح سے بے خبر تھے''۔ (مقالاتِ سلیمان: ج ۲، ص ۴۴)

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں:

''ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ ولی اللہؒ کو پیدا فرمایا۔ آپ کے والد کا نام حضرت شاہ عبدالرحیمؒ تھا۔ حضرت شاہ عبدالرحیم فضائلِ حمیدہ اور اخلاقِ ستودہ کے جامع تھے۔ شجاعت، فراست اور غیرتِ دینی اُن میں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ عقلِ معاد کی طرح عقلِ معاش بھی کامل اور وافر طور پر رکھتے تھے۔ ان میں مجاہدانہ جذبات اور حمیتِ اسلامی پورے طور پر موجود تھی۔ ۱۲ صفر ۱۱۷۳ھ کو ۶۷ سال کی عمر میں اس دارِ فانی سے کوچ کیا''۔ (تاریخ دعوت و عزیمت: ج ۵، ص ۸۹)

اعترافِ عظمت

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا وجود اس عہد میں برعظیم (پاک و ہند) کے لیے ایک موہبت عظمیٰ اور عطیۂ کبریٰ تھا۔ آپؒ نے ۱۵ سال کی عمر میں علومِ دینیہ سے فراغت پائی۔ آپ بیک وقت مفسر بھی تھے اور محدث بھی، فقیہہ بھی تھے اور مجتہد بھی، متکلم بھی تھے او

معلم بھی، مؤرخ بھی تھے اور محقق بھی، ادیب بھی تھے اور انشا پرداز بھی، نقاد بھی تھے اور مبصر بھی۔ بہرحال آپ جامع الکمالات تھے۔ مولانا سید نواب صدیق حسن خان (م ۱۳۰۷ھ) نے آپ کے صاحبِ فضل وکمال ہونے کا اعتراف درج ذیل الفاظ میں کیا ہے:

''انصاف ایں است کہ اگر وجودِ او در صدرِ اول وزمانہ ماضی می بود امام الائمہ وتاج المجتہدین شمردہ می شد''۔ (اتحاف النبلاء :ص ۴۳۰)

(حقیقت یہ ہے کہ ان کا وجودِ گرامی اگر دورِ اوّل اور زمانۂ ماضی میں ہوتا تو ان کا شمار امام الائمہ اور سربرآوردہ مجتہدین کی جماعت میں کیا جاتا۔)

شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں:

''ہم شاہ صاحب کو محض کم ہمتی اور تقلید پسندی سے امام نہیں کہتے، ورنہ جہاں تک علمی تبحر، دماغی قابلیت، مجتہدانہ نظر، سلیم الخیالی اور اشاعتِ کتاب وسنت کے سلسلے میں عظیم الشان قومی اور مذہبی خدمات کا تعلق ہے، دنیائے اسلام میں بہت ہی کم بزرگ ہوں گے جن سے آپ پیچھے رہے ہیں۔ آپ نے بیسیوں کتابیں لکھیں۔ تفسیر، حدیث، تصوف، فقہ، تاریخ، علم الکلام، غرضیکہ علومِ اسلامی کی کوئی شاخ نہیں جسے آپ نے سیراب نہ کیا ہو۔ اور اللہ کا فضل ایسا شاملِ حال تھا کہ جس چیز کو ہاتھ لگاتے کندن ہو جاتی''۔ (رودِ کوثر: ص ۵۵۱)

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ جس مقام ومرتبہ کے حامل تھے، اس کا اعتراف مولانا حکیم سید عبدالحی الحسنیؒ درج ذیل الفاظ میں کرتے ہیں:

''الشیخ الامام الهمام حجة الله بین الانام، امام الائمة، قدوة الامة، علامة العلماء، وارث الانبیاء، آخر المجتهدین، اوحد علماء الدین المتضلعین بحمل اعباء الشرع المتین، محی السنة، ومن عظمت به الله علینا المنة شیخ الاسلام قطب الدین احمد ولی الله بن عبدالرحیم بن وجیه الدین العمری الدهلویؒ''. (نزهة الخواطر: ج ٦، ص ٤٠٤)

تصانیف

حضرت امام شاہ ولی اللہؒ عظیم الشان اور جلیل القدر کتب کے مصنف تھے۔ انہوں نے ایک سو سے زائد کتابیں لکھیں، جن میں متعدد کتابیں دست بردِ زمانہ کی نذر ہوگئیں۔ آپ نے تفسیر، حدیث، اسرارِ شریعت، تاریخ وسیر، تصوف، عقائد، فقہ اور مناظرہ سے متعلق کتابیں تصنیف کیں۔

وفات

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ۶۲ سال کی عمر میں ۳۰ محرم ۱۱۷۶ھ بمطابق ۱۷۶۲ء دہلی میں اس دارِفانی کو خیر باد کہا اور جان جانِ آفرین کے سپرد کردی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی خدماتِ حدیث

حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی شخصیت ان اوصاف وکمالات سے عبارت تھی جن سے علم وفن کا ایک تازہ جہاں آباد ہوتا ہے۔ اربابِ نظر جانتے ہیں کہ اس نابغہ روزگار شخصیت نے انتہائی نامساعد حالات میں ایسے عظیم الشان کارنامے انجام دیے جن سے آج بھی خاکِ برعظیم (پاک وہند) منور ہے اور جن کا آوازہ برعظیم کے علاوہ عالمِ اسلام میں بھی بلند ہوا۔ ان کی خدماتِ حدیث ان کے عظیم الشان کارناموں میں ایک عظیم کارنامہ ہے۔

حضرت شاہ صاحب کی خدماتِ حدیث پر روشنی ڈالنے سے پہلے ضروری ہے کہ حدیثِ نبویؐ کے مقام ومرتبہ اور دین اسلام میں اس کی اہمیت وحیثیت پر اظہارِ خیال کیا جائے۔

حدیث قرآن ہی کی شرح ہے

اصلِ دیں آمد کلام اللہ معظم داشتن
پس حدیثِ مصطفیٰ ﷺ برجاں مسلّم داشتن

قرآن مجید باجود اپنی جامعیت اور جملہ علومِ ضروریہ پر حاوی ہونے کے چونکہ زیادہ تر ایمان وعقائد اور اصولِ دین بیان کرتا ہے اس لیے اس کی حیثیت ایک بنیادی قانون اور دستورِ اساسی کی ہے۔ اسے تفصیلی شکل دینا اور اس کی دفعات کی وضاحت کرنا دراصل حدیث کا کام ہے، اور یہ کام بھی خود اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے سپرد کیا۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ﴾ (النحل: ٤٤)

''اور ہم نے آپ پر یہ ذکر (قرآن) اتارا ہے تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اُس تعلیم کی تشریح وتوضیح کرتے جائیں جو اُن کے لیے اتاری گئی ہے''۔

مقامِ حدیث

دین اسلام میں حدیث کا مرتبہ ومقام کیا ہے، اس کے بارے میں تین نامور علمائے

کرام کی تحریریں درج ذیل ہیں۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ

''علم القرآن اگر اسلامی علوم میں دل کی حیثیت رکھتا ہے تو علمِ حدیث شہ رگ کی۔ یہ شہ رگ اسلامی علوم کے تمام اعضاء و جوارح تک خون پہنچا کر ہر آن ان کے لیے تازہ زندگی کا سامان پہنچاتی رہتی ہے۔ آیات کا شانِ نزول اور ان کی تفسیر' احکام القرآن کی تشریح و تعیین' اجمال کی تفصیل' عموم کی تخصیص' مبہم کی تعیین' سب علم حدیث کے ذریعہ معلوم ہوتی ہیں۔ اسی طرح حاملِ قرآن محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت اور حیاتِ طیبہ اور اخلاق و عاداتِ مبارکہ اور آپ ﷺ کے اقوال و افعال اور آپ ﷺ کے سنن و مستحبات اور آپؐ کے احکام و ارشادات اسی علم حدیث کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں۔ اسی طرح خود اسلام کی تاریخ' صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے احوال اور ان کے اعمال و اقوال اور اجتہادات و استنباطات کا خزانہ بھی اسی کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے۔ اس بنا پر اگر یہ کہا جائے تو صحیح ہے کہ اسلام کے عملی پیکر کا صحیح مرقع اسی علم کی بدولت مسلمانوں میں ہمیشہ سے موجود و قائم ہے اور ان شاء اللہ تا قیامت رہے گا۔'' (مقدمہ تدوین حدیث' از مولانا مناظر احسن گیلانیؒ)

مولانا شاہ معین الدین احمد ندویؒ

''کلام مجید اگرچہ ایک واضح اور کھلی ہوئی کتاب ہے' اس میں کوئی غموض و خفا نہیں ہے' لیکن اس میں اسلام کی تعلیمات کی پوری تفصیل اور تمام جزئیات کا احاطہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے بہت سے احکام مجمل یا کلیات کی شکل میں ہیں' جن کی وضاحت و تشریح اور کلیات سے جزئیات کی تفریع رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول و عمل سے فرمائی۔ آپ ﷺ کا کام محض کلامِ الٰہی کو لوگوں تک پہنچا دینا نہیں تھا بلکہ اس کی تبیین و تشریح بھی تھا۔

درحقیقت اسلام کی پوری عمارت قرآن مجید اور احادیثِ نبویؐ پر قائم ہے۔ وہ کلام اللہ کی تفسیر بھی ہے' اس کے اجمال کی تفصیل بھی' اس کے کلی احکام سے جزئیات کی تفریع بھی' اور اسلام کے قرنِ اوّل کی تاریخ بھی۔ اس کے بغیر اسلام کی تعلیم اور اس کی ابتدائی تاریخ کے بہت سے اوراق سادہ رہ جاتے ہیں۔ اسلام کے ارکانِ اربعہ نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ کے تفصیلی احکام بھی نہیں معلوم ہو سکتے ہیں اور نہ ہی ان کو حدیث کی مدد کے بغیر ادا کیا جا سکتا ہے۔ ان کے صرف کلی احکام قرآن مجید میں ہیں'

تفصیل حدیث وسنت سے معلوم ہوتی ہے۔ یہی حال اکثر اوامر ونواہی اور حلال و حرام کا ہے۔

آنحضرت ﷺ کی بعثت، اسلام کا ظہور، اس کی تبلیغ، اس راہ کی صعوبتیں، غزوات، اسلام کا غلبہ واقتدار، حکومتِ الٰہیہ کا قیام، اس کا نظام، رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ اور آپؐ کی سیرت معلوم کرنے کا ذریعہ صرف حدیث ہے۔ اگر اس کو نظر انداز کر دیا جائے تو اسلام کی بہت سی تعلیمات اور تاریخ اسلام کے بہت سے گوشے مخفی رہ جائیں گے۔ اس لیے احادیثِ نبویؐ اسلام اور اسلامی تاریخ کا بڑا قیمتی سرمایہ ہیں اور اس پر ان کی عمارت قائم ہے''۔

روایتِ حدیث کے سلسلہ میں مولانا شاہ معین الدین احمد ندویؒ لکھتے ہیں:

''عہد رسالت سے لے کر بعد کے ہر دور میں حدیث نبویؐ کی نقل و روایت کا سلسلہ جاری رہا۔ یہ حدیثیں پوری دنیائے اسلام میں بکھری ہوتی تھیں۔ محدثین کرام کا یہ بڑا احسان ہے کہ انہوں نے اس زمانہ میں جبکہ سفر کی سہولتیں نہ تھیں اور سفر ہم معنی سقر سمجھا جاتا تھا اور نہ نشر واشاعت کے موجودہ سامان تھے، تعلیم بھی محدود تھی، دنیائے اسلام کا چپہ چپہ چھان کر رسول اللہ ﷺ کے اقوال وافعال یعنی حدیث وسنت کو تحقیق وصحت کے پورے اہتمام کے ساتھ جمع ومرتب کیا۔ ان کے ردّوقبول اور ان کی صحت و سقم کے جانچنے اور رواۃ کی جرح وتعدیل کے اصول بنائے۔ اصولِ حدیث کا مستقل فن ایجاد کیا اور ہزاروں راویانِ حدیث کے حالات نہایت صحت وتحقیق کے ساتھ قلمبند کیے جو مسلمانوں کا بڑا قابل فخر کارنامہ ہے''۔

(مقدمہ تذکرۃ المحدثین: جلد اول، مطبوعہ دارالمصنفین اعظم گڑھ)

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

''حدیثِ نبوی ﷺ ایک ایسی صحیح میزان ہے جس میں ہر دور کے مصلحین ومجددّین اس اُمت کے اعمال وعقائد، رجحانات وخیالات کو تول سکتے ہیں اور امت کے طویل تاریخی وعالمی سفر میں پیش آنے والے تغیرات وانحرافات سے واقف ہو سکتے ہیں۔ اخلاق واعمال میں کامل اعتدال وتوازن اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جب تک کہ قرآن وحدیث کو بیک وقت سامنے نہ رکھا جائے۔ اگر حدیث نبویؐ کا وہ ذخیرہ نہ ہوتا جو معتدل، کامل ومتوازن زندگی کی صحیح نمائندگی کرتا ہے، وہ حکیمانہ نبوی تعلیمات اور یہ احکام نہ ہوتے جن کی پابندی رسول اللہ ﷺ نے اسلامی معاشرہ سے کرائی تو یہ اُمت

افراط وتفریط کا شکار ہو کر رہ جاتی۔اس کا توازن برقرار نہ رہتا اور وہ عملی مثال موجود نہ رہتی جس کی اقتدا کرنے کی خدا تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں ترغیب دی ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾(الاحزاب : ۲۱)

''یقیناً تمہارے لیے رسول اللہﷺ کی ذات اسوۂ حسنہ ہے''۔

اور یہ فرما کر آپؐ کے اتباع کی دعوت دی ہے:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط﴾ (آل عمران : ۳۱)

''آپ کہہ دیجیے کہ اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو میری اتباع کرو' اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا''۔

یہ ایک ایسا عملی نمونہ ہے جس کی انسانوں کو ضرورت ہے' اور جس سے وہ زندگی اور قوت واعتماد حاصل کرسکتا ہے اور یہ اطمینان کرسکتا ہے کہ دینی احکام کا زندگی پر نفاذ نہ صرف آسان بلکہ ایک امرِ واقعہ ہے۔

حدیث نبویؐ زندگی' قوت اور اثر انگیزی سے بھرپور ہے۔ یہ ہمیشہ اصلاح وتجدید کے کام کرنے' فساد اور خرابیوں اور بدعتوں کے خلاف صف آرا اور برسرِ جنگ ہونے اور معاشرہ کا احتساب کرنے پر اُبھارتی رہی ہے۔اس کے اثر سے ہر دور اور ہر ملک میں ایسے افراد پیدا ہوتے رہے جنہوں نے اصلاح وتجدید کا جھنڈا بلند کیا' کفن بردوش ہو کر میدان میں آئے اور بدعتوں اور خرافات اور جاہلی عادتوں سے کھلی جنگ کی اور دینِ خالص اور صحیح اسلام کی دعوت دی۔اس لیے حدیثِ نبوی اُمت اسلامیہ کے لیے ایک ناگزیر حقیقت اور اس کے وجود کے لیے ایک لازمی شرط ہے۔اس کی حفاظت' ترتیب و تدوین' حفظ اور نشر واشاعت کے بغیر اُمت کا یہ دینی و ذہنی' عملی و اخلاقی دوام وتسلسل برقرار نہیں رہ سکتا تھا''۔(حدیث کا بنیادی کردار: ص۲۹'۳۰)

حدیث کی اشاعت وترویج

برعظیم (پاک وہند) خاص طور پر شمالی ہندوستان میں حدیث کا علم تقریباً ختم ہو چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی نشر واشاعت کے لیے شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م۱۰۵۲ھ) کو منتخب فرمایا' اور ان کے ذریعے علمِ حدیث کی بہت اشاعت ہوئی۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں:

''مولانا عبدالحق محدث دہلوی کی ذات وہ ذات ہے جس نے ہندوستان میں رہ کر حدیث کے سربمہر خزانہ کو وقف عام کیا اور دل پسند محققانہ تصنیفات کے ذریعہ سے علمائے ظاہرو

باطن دونوں کی محفلوں سے تحسین و آفرین کی داد وصول کی''۔

(مقالاتِ سلیمان: ج۲، ص۲۳)

مولانا حکیم سید عبدالحی الحسنیؒ لکھتے ہیں:

''فن حدیث کی نشر و اشاعت کے لیے اللہ تعالیٰ نے شیخ عبدالحق بن سیف الدین بخاری (م۱۰۵۲ھ) کو منتخب فرمایا۔ ان کے ذریعہ علم حدیث کی اشاعت بہت عام ہوئی۔ انہوں نے دارالسلطنت دہلی میں مسند درس آراستہ فرمائی اور اپنی ساری کوشش و صلاحیت اس علم کی نشر و اشاعت میں صرف فرمائی۔ ان کی مجلس درس سے بہت سے علماء نے فن حدیث کی تکمیل کی اور بہت سی کتابیں فن حدیث میں تصنیف فرمائیں۔ (۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس علم کی نشر و اشاعت میں بڑی جدوجہد کی۔ ان کی ذات اور ان کے علم سے اللہ کے بندوں کو بہت نفع پہنچا۔ فن حدیث کی نشر و اشاعت میں ان کی جدوجہد اور کوششیں اپنے پیشرووں سے اس قدر نمایاں و ممتاز ہیں کہ لوگوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ فن حدیث کو ہندوستان میں سب سے پہلے لانے والے یہی شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ہیں''۔ (اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں: ص۱۹۷)

پروفیسر خلیق احمد نظامی نے صحیح لکھا ہے کہ:

''بہرحال حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے جس وقت مسند درس بچھائی تھی اس وقت شمالی ہندوستان میں حدیث کا علم تقریباً ختم ہو چکا تھا۔ انہوں نے اس تنگ و تاریک ماحول میں علومِ دینی کی ایسی شمع روشن کی کہ دُور دُور سے لوگ پروانوں کی طرح کھنچ کر ان کے گرد جمع ہونے لگے۔ درس حدیث کا ایک نیا سلسلہ شمالی ہندوستان میں جاری ہو گیا۔ علوم دینی خصوصاً حدیث کا مرکز ثقل گجرات سے منتقل ہو کر دہلی آ گیا''۔ (حیات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ: ص۴۳)

حدیث کے بارے میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے خیالات وجذبات

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے بعد حدیث کی نشر و اشاعت میں حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے سرگرمی دکھائی اور اس کے حفظ و بقا کے لیے اپنی زندگی اور تمام صلاحیتیں وقف کر دیں۔ اس کے لیے ان کے پیشِ نظر کون سا جذبہ محرکہ تھا، اس بارے میں حضرت شاہ

(۱) پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اپنی کتاب ''حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی'' میں ان کی حدیث اور متعلقاتِ حدیث پر تیرہ (۱۳) کتابوں کے نام لکھے ہیں، جن میں سات کتابیں عربی میں ہیں، پانچ فارسی میں اور ایک کتاب عربی و فارسی میں ہے۔ (عراقی)

صاحب اپنی بے نظیر کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''علومِ دینیہ کا معتمد علیہ سرمایہ وسرتاج اور فنون دینیہ کی اصل واساس علم حدیث ہے' جس میں افضل المرسلین ﷺ کے قول وفعل یا کسی بات پر آپؐ کے سکوت ورضامندی کا ذکر خیر ہوتا ہے۔ اس لیے یہ حدیثیں تاریکی میں روشن چراغ' رشد وہدایت کا سنگِ میل اور بدرِ کامل کا حکم رکھتی ہیں۔ جو شخص ان پر عمل پیرا ہوتا اور ان کی نگہداشت کرتا ہے' وہ ہدایت یاب اور خیر کثیر سے فیض یاب ہوتا ہے' جبکہ جو بدبخت ان سے اعراض وروگردانی کرتا ہے' وہ گمراہ اور ہلاک ہوتا ہے اور اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ اس کے لیے آنحضرت ﷺ کی زندگی امر ونہی' انذار وتبشیر اور نصیحت وتذکیر سے معمور ہے اور آپؐ کی حدیثوں میں یہ چیزیں قرآن ہی کی طرح یا اس سے (مقدار میں) کچھ زیادہ ہی ہیں''۔ (مقدمہ حجۃ اللہ البالغہ: ص۲)

حضرت شاہ صاحبؒ اپنی دوسری کتاب ''کلماتِ طیبات'' میں فرماتے ہیں:

''پہلی چیز جس کو عقل اپنے اوپر واجب قرار دیتی ہے' یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے حالات وارشادات کا تتبع کیا جائے کہ آپؐ نے احکامِ الٰہی کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا اور کس طرح ان پر عمل کیا۔ پھر قلب وجوارح سے ان اقوال واحوال کی پیروی کی جائے' اس لیے کہ ہماری گفتگو اس شخص کے بارے میں ہے جس نے یہ حقیقت تسلیم کر لی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنے احکام کا مکلّف بنایا ہے اور اس شخص نے تکلیف شرعی کی اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کا عزمِ مصمم کر لیا ہے''۔ (کلمات طیبات: ص۱۷۲)

حدیث کی اشاعت وخدمت میں سرگرمی:

حضرت شاہ ولی اللہؒ ۱۱۴۳ھ بمطابق ۱۷۳۲ء میں حج بیت اللہ کے لیے حجاز تشریف لے گئے اور ۱۱۴۵ھ بمطابق ۱۷۳۳ء کو واپس ہندوستان تشریف لائے۔ حج کی سعادت سے مشرف ہونے کے بعد آپ نے مدینہ منورہ میں شیخ ابوطاہر الکردی (م ۱۱۴۵ھ) سے حدیث میں استفادہ کیا۔ مولوی ابویحییٰ امام خان نوشہرویؒ لکھتے ہیں:

''شاہ صاحب مدینۃ النبی پہنچے اور شیخ ابوطاہر الکُردی بن شیخ ابراہیم الکُردی المدنی کا درس الجامع الصحیح البخاری شروع تھا۔ اس میں شرکت کے علاوہ بقیہ کتبِ صحاحِ ستہ ومؤطا امام مالک ومسند دارمی وکتاب الآثار کے اطراف سنا کر سند و

اجازت حاصل کی۔ بشمول چند دیگر کتب احادیث کے شیخ ابوطاہر ممدوح کو آپ پر اس قدر فخر تھا کہ اکثر فرمایا کرتے تھے: ولی اللہ لفظ کی سند مجھ سے لیتا ہے اور میں معنی کی سند اُس سے حاصل کرتا ہوں۔'' (تراجم علمائے حدیث ہند' ص ۱۱)

حجاز سے واپسی

۱۱۴۵ھ بمطابق ۱۷۳۳ء کو حضرت شاہ ولی اللہؒ حجاز سے واپس دہلی تشریف لائے۔ جب اپنے استاد شیخ ابوطاہر الکردی سے رخصت ہونے لگے تو شیخ کی خدمت میں عرض کیا کہ:

''میں نے جو کچھ پڑھا تھا سب بھلا دیا' سوائے علمِ دینِ حدیث کے''۔

حضرت شاہ صاحب کی پوری زندگی اس کی تصدیق کرتی ہے کہ وہ حدیثِ نبویؐ ہی کی تشریح و تفہیم' تدریس و تعلیم اور اشاعت و تعمیم میں مصروف رہے۔

شاہ صاحب کا درسِ حدیث

حجاز سے واپسی کے بعد حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اپنے والد محترم کے قائم کردہ مدرسہ رحیمیہ دہلی میں حدیث کا درس شروع کیا۔ چند ہی دنوں میں اطراف و اکناف سے طلبہ کھنچ کھنچ کر آنے لگے اور مدرسہ رحیمیہ کی عمارت اپنی وسعت کے باوجود تنگ دامانی کا شکوہ کرنے لگی۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر محمد شاہ بادشاہ نے شاہ صاحب کو شہر میں ایک عالیشان حویلی دی' جس میں آپ نے دارالحدیث قائم کیا۔ یہاں ۱۲۷۴ھ بمطابق ۱۸۵۷ء تک طلبہ درس حدیث کے لیے آتے رہے اور یہ دارالحدیث ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی (جس کو انگریزوں نے غدر کا نام دیا) تک قائم رہا۔ اس کے بعد ختم ہو گیا۔ مولوی بشیرالدین لکھتے ہیں :

''یہ مدرسہ کسی زمانہ میں نہایت عالی شان اور خوبصورت تھا اور بڑا دارالعلوم سمجھا جاتا تھا۔ غدر تک وہ اپنی اصلی حالت پر قائم تھا۔ غدر میں مکانات لوٹ لیے گئے۔ کڑی تختے تک لوگ اٹھا لے گئے''۔ (دارالحکومت دہلی: جلد۲' ص ۲۸۶)

تلامذہ

حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے بے شمار حضرات نے استفادہ کیا۔ ان میں بعض حضرات مسند افتاء و تدریس کے مالک بنے۔ یہاں چند مشہور تلامذہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

آپؒ کے چاروں صاحبزادگان عالی مقام یعنی شاہ عبدالعزیز محدث' شاہ رفیع الدین

محدث، شاہ عبدالقادر محدث، شاہ عبدالغنی محدث رحمہم اللہ تعالیٰ۔

ان کے علاوہ بیہقیٔ وقت، عالم الہدیٰ قاضی ثناء اللہ پانی پتی، علامہ سید مرتضیٰ بلگرامی زبیدی، مولانا رفیع الدین مرادآبادی، مولانا خیرالدین سورتی، مولانا محمد عبداللہ خان رام پوری وغیرہم۔ (تراجم علمائے حدیث ہند: ص ۱۵)

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے تلامذہ نے ہندوستان کے علاوہ عالمِ اسلام خصوصاً حجاز میں حدیث کی نشرواشاعت میں نمایاں حصہ لیا۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں:

''اس طرح ہندوستان میں صدیوں کے بعد (غالباً پہلی مرتبہ) علم حدیث کا ایسا چرچا ہوا اور اس کی طرف ایسا رجوع ہوا کہ ہندوستان یمن کا ہمسر بن گیا اور اس کے جانفزا جھونکے سرزمینِ حجاز تک پہنچ گئے''۔ (تاریخ دعوت وعزیمت: جلد ۵، ص ۱۹۱)

تصنیفی خدمات

حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے حدیث اور علوم حدیث پر جو کتابیں تصنیف کیں، ان کے نام حسب ذیل ہیں:

۱) المسوّٰی فی احادیث الموطأ (عربی)
۲) المصفّٰی فی شرح الموطا (فارسی)
۳) شرح تراجم ابواب الصحیح البخاری (عربی)
۴) سلسلات (عربی)
۵) الارشاد الی مہمات الاسناد (عربی)
۶) الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ (فارسی)
۷) الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین (چہل حدیث، عربی)

وہ کتابیں جو براہ راست فن حدیث پر نہیں ہیں مگر ان کا بالواسطہ تعلق حدیث سے ہے، حسب ذیل ہیں:

۱) الانصاف فی بیان سبب الاختلاف (عربی)
۲) عقد الجید فی احکام الاجتہاد و التقلید (عربی)
۳) حجۃ اللّٰہ البالغہ (عربی)

مولوی ابویحییٰ امام خان نوشہروی لکھتے ہیں:

''جناب حجۃ اللہ شاہ ولی اللہؒ نے حدیث کی اول الکتب موطا امام مالکؒ کی دو شرحیں (عربی و فارسی میں) بنام المسوّی اور المصفّی لکھیں اور تقلیدی بندھنوں سے بالکل بے نیاز رہ کر اس مجتہدانہ شان کے ساتھ کہ جو بارہویں صدی ہجری کے مجدد کا فرض تھا' ان (دونوں) کا ضمیمہ ''الانصاف فی بیان سبب الاختلاف'' کے نام سے لکھا۔ تکملہ ''عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید'' سے کیا اور تتمہ ''حجۃ اللہ البالغہ'' جیسی غیر مسبوق کتاب سے کیا''۔

اس کے بارے میں مولانا سید نواب صدیق حسن خانؒ لکھتے ہیں:

''دو ایں کتاب اگرچہ در علم حدیث نیست اما احادیث بسیار دراں (درج) کردہ و حکم اسرار بیان نمودہ تا آنکہ در فن خود غیر مسبوق علیہ واقع شدہ و مثل آں دریں دوازدہ صد سال ہجری ہیچ یکے علمائے عرب و عجم تصنیفے بوجود نیامدہ و من جملہ تصانیف مولفش مرضی بودہ است و فی الواقع بیش ازاں است کہ وصفش تواں نوشت''۔ (اتحاف النبلاء)

حجۃ اللہ البالغہ دین کی حجت بنی۔ اس کے ابلاغ نے حق و باطل میں امتیاز کر دیا۔ اس کے ایک ایک لفظ نے تشویق الی السنۃ اور تحریض عمل بالحدیث کا درس دیا۔

افکار و آراء

''سَبْعًا شِدَادًا'' سے مراد

بانی تنظیم کے نام ایک خط اور اس کے ضمن میں وضاحت

آپ حفظک اللہ نے اکثر سات آسمانوں کی بات کو متشابہات کے زمرے میں شامل کیا ہے۔ اکثر مقامات پر واقعی قرآن مجید میں ''سَبْعَ سَمٰوٰتٍ'' کا ذکر آیا ہے جو واقعی متشابہات میں آتا ہے (جیسا کہ واقعۂ معراج میں سات آسمانوں کا ذکر آیا ہے جن میں حضور اکرم ﷺ نے مختلف انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کی)۔ لیکن اس آیت (النبأ:۱۲) میں آسمانوں کا ذکر نہیں' بلکہ ''فَوْقَكُمْ'' کا لفظ آیا ہے اور میری Telecom کی ناقص تحقیق اور مشاہدات کے حوالے سے جو بات ذہن میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ اس آیت سے پہلے زمین اور اس کی زندگی اور اس آیت کے بعد سورج کی آب و تاب کا ذکر ہے' جبکہ آیت زیر نظر میں سات مضبوط چھتوں کا ذکر ہے: ﴿وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ﴿١٢﴾ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ﴿١٣﴾﴾ لہٰذا یہاں پر وہ واقعۂ معراج کے سات آسمان نہیں ہو سکتے' بلکہ سیاق و سباق یہ بتاتا ہے کہ یہ سات مضبوط تہیں ہیں' مثلاً Ionosphere, Ozone وغیرہ وغیرہ' اور یہ layers بھی واضح تحقیق کے مطابق سات ہیں۔ اگر آپ کو اس کی مزید تفصیل درکار ہو تو میں دے سکتا ہوں۔ بہر حال یہ تھوڑا سا حوالہ تھا' آپ اسے قبول کریں یا نہیں' یہ آپ پر منحصر ہے۔

فقط والسلام
حافظ محمد فواد
ایم ایس سی' ٹیلی کام
گورنمنٹ کالج' لاہور

وضاحت:

آپ کو جو خیال آیا ہے اچھا ہے' لیکن ''سَبْعَ سَمٰوٰتٍ'' تو پھر بھی متشابہات ہی میں شامل رہا! قرآن مجید میں کثرت کے ساتھ تو یہی اصطلاح وارد ہوئی ہے' لیکن اس پر مستزاد

''سَبْعًا شِدَادًا'' کے علاوہ ایک مقام پر ''سَبْعَ طَرَائِقَ'' کے الفاظ مبارکہ بھی وارد ہوئے ہیں' اور جہاں یہ بھی ممکن ہے کہ ان سے مراد بھی ''سَبْعَ سَمٰوٰتٍ'' ہی ہوں وہاں یہ بھی ممکن ہے کہ ان سے مراد مختلف چیزیں ہوں ـــــ اور ''سَبْعًا شِدَادًا'' سے مراد وہی ہو جو آپ لے رہے ہیں۔ واللہ اعلم!

ڈاکٹر اسرار احمد

❁ ❁ ❁

''اللہ ہی بہترین کارساز ہے!''

حیدرآباد دکن (انڈیا) سے ایک مکتوب

معزز و مکرمی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

السلام علیکم!

صرف اللہ ہی کا کرم ہے۔ زہے قسمت میرے پھوپھی زاد بھائی ڈاکٹر عبدالوہاب خان نے کراچی سے آپ کے آڈیو کیسٹ میرے لئے کینیا بھجوائے۔ ''حقیقتِ ایمان' حقیقتِ شرک' حقیقتِ نفاق' عظمتِ قرآن' راہ نجات''۔ اللہ میرے بھائی کو اس کا اجر عطا فرمائے!

سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے دین کا علم آپ کے ذریعہ عطا کیا۔ دعا فرمایئے عمل کی توفیق بھی عطا فرمائے' جس طرح ہر تقریر سے پہلے آپ کی دعا ہوا کرتی ہے۔

ماشاء اللہ آپ کی تقاریر سے واضح ہوا کہ دین کیا چاہتا ہے! ایک طرف رضائے الٰہی ہے اور دوسری طرف خواہش نفس۔ کس کو مقدم کیا اور کس کو مؤخر' اسی میں فیصلہ ہے۔ ہم تو چاہ بھی نہیں سکتے جب تک اللہ نہ چاہے۔

شرک فی التوکل' عقیدۂ وحدت الوجود' نظریۂ تناسخ' علمِ وحی جوائل ہے' ایمانِ قانونی اور ایمانِ حقیقی' جہاد: رکنِ ایمان' بشر اور نور' علمِ غیب' نعت گو' خطیب' قوالی' شرک کے امکانات' خدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار' سورۂ رحمان کا کلائمکس' سورۃ العصر میں لوازمِ نجات' Minimum Passing Marks' اللہ تعالیٰ اسباب کا نہ محتاج نہ پابند' قرآن سیکھو اور سکھاؤ' علامہ اقبال کی قرآن پاک اور احادیث کی شاعرانہ تفسیر' ماسوا اللہ کا وجود و حیات اور علم و ارادہ عطائی' رسول اکرم ﷺ کا آخری خطبہ اور اُمت کے لیے پیغام جاوید' مولانا حالی کی

مایوسی اور علامہ اقبال کے روح افزا و امید بخش پیغام' سفارش لیکن پکار و صرف اللہ کو' اماموں سے متعلق تین فرقے' مرزا کا دھوکا کھانا اور دنیا کو دھوکا دینا' حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اللہ/ انبیاء/ انسان سے نسبت' فتنہ انکارِ احادیث' دین اور مذہب' دین کی بنیادیں اور ستون' امام ابن تیمیہ' اللہ کی پہچان' اللہ ہی مقصود و مطلوب اور محبوب۔ اوّل و آخر' ظاہر و باطن کے بارے میں امام رازی کا قول Passive Resistance' Active Resistance' Armed Conflict۔ تقلیدی پہلو جو احکامِ الٰہی سے متضاد نہ ہو' سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے۔ آپ کی تقاریر کے یہ مباحث بفضلِ الٰہی کافی حد تک ذہن نشین ہوئے ہیں۔ اللہ سے یہی عاجزانہ التجا ہے کہ عمل کی توفیق بھی عطا فرمائے!

اللہ تعالیٰ موقع فراہم فرمائے کہ آپ کی صحبت میں کچھ وقت چند ایام گزار سکوں۔ بقول علامہ اقبال:۔

یا ربّ دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے' جو روح کو تڑپا دے!

وطن سے متعلق آپ کی اس بات نے متاثر کیا کہ اپنی شناخت خلیجِ بنگال میں ڈبو دی' اور یہی بچھن رہے تو باقی کا اللہ ہی حافظ۔

معزز ڈاکٹر صاحب! آپ سے مخلصانہ گزارش ہے کہ میرے حق میں دعا کیجئے کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے دنیا کی نعمتوں سے نوازا' اب دین کی خدمت کرنے کی توفیق بھی عطا فرمائے۔ ایمان اور عمل' حلال روزی' صحت و تندرستی کے ساتھ مجھے اور میری بیگم کو عمرہ اور حج نصیب فرمائے۔ آپ کی تقریر ''ہمارا دین ہم سے کیا چاہتا ہے؟'' پر اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔ صرف اللہ ہی کافی ہے جو نہایت ہی مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

مخلص اور فرمانبردار
سلیمان خان

غیر سودی معیشت
ہی دنیا کو سامراج سے بچا سکتی ہے!

بھارت کے ایک ہندو دانشور کا اعترافِ حق

کشن پٹنائک.....ترجمہ: عطر یف شہباز ندوی

جب ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر عجیب انداز میں حملہ ہوا' اس وقت مختلف لوگوں نے تہذیبوں کے تصادم پر مضامین لکھے۔ ایک مضمون میں نے بھی لکھا تھا' جس میں یہ بھی لکھا تھا کہ سامراج واد یا مغرب سے لڑنے کا القاعدہ کا طریقہ انوکھا ہے' تاریخی بھی ہے' لیکن نہ کارگر ہے نہ صحیح۔ اگر اسلام کی طرف سے مغرب یا سامراج سے لڑنا اور مقابلہ کرنا ہے تو اسلام کے پاس تو اس سے زیادہ کارگر ہتھیار ہے۔ ۱۱ ستمبر کا ہتھیار اسلام کا ہتھیار نہیں تھا' یہ تو مغرب کا ہتھیار تھا۔ اسلام کا اسلحہ تو اس سے کہیں زیادہ برتر ہے۔ اگر اس کا استعمال کر کے کوئی بڑا مسلمان معاشرہ یا معاشرہ کا ایک حصہ ہی اپنے آپ کو متحد کر لے تو سچ مچ دنیا میں ایک بڑا انقلاب برپا ہو سکتا ہے۔

اپنے مذکورہ مضمون میں مَیں نے اسلام کے اسی اسلحہ کا تذکرہ کیا کہ سود حرام ہے جو ناجائز اور گناہ ہے۔ قرآن نے اس بات کا ذکر متعدد بار کیا ہے۔ اس کا سامراج واد سے کیا رشتہ ہے' اس پر میں نے زیادہ بحث نہیں کی تھی۔ اس موضوع پر پچھلے کئی دنوں سے مسلسل سوچ رہا ہوں۔ ویسے میں معاشیات کا طالب علم تو نہیں ہوں' لیکن اگر کوئی معاشیات کا آدمی مل گیا تو اس سے کہوں گا کہ قرض کے اوپر دو حصوں میں ایک کتاب لکھے۔ آج پوری دنیا قرض پر چل رہی ہے' اس لیے قرض اور سرمایہ کے بارے میں کارل مارکس نے اپنی مشہور کتاب لکھی تھی۔ مجوزہ کتاب کے پہلے حصہ میں اس کی تفصیل بیان کی جائے کہ آج قرض کے لین دین کی کیا کیا صورتیں رائج ہیں۔ دوسرے حصہ میں یہ بتایا جائے کہ اس بارے میں کیا کیا نظریات کام کر رہے ہیں اور مستقبل میں اس پر مضبوط اور بہتر ڈھنگ میں کیسے سوچا جا سکتا ہے۔

قرض کس قدر اہم ہے ——— بھارت میں ۲۰۰۴ء میں انتخابات ہوئے۔ ان میں دو باتوں کا بڑا چرچا ہوا۔ شروع میں لوگوں نے کہا کہ یہ سیکولرزم کی جیت ہے' فرقہ واریت کی دہشت کے خلاف لوگوں نے ووٹ دیا ہے۔ لیکن جیسے جیسے بجٹ نزدیک آنے لگا تو چرچا کا فوکس بدل گیا کہ کسان کو کیسے خوش کرنا ہے' ان کی حالت سدھارنی ہے۔ بجٹ اجلاس کی تقریروں میں کسان ہی بحث کا مرکز تھا۔ کیوں؟ اس لیے کہ کسان قرض میں ڈوبا ہوا ہے' قرض کے باعث ہی وہ جان گنوا رہا ہے۔ اس کی مدد کی کوشش کی جا رہی ہے یا اس کا استحصال کیا جا رہا ہے' اس پر غور کرنا ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ قرض آدمی کو کیوں ڈبو دیتا ہے' کسان اس سے کیوں مر رہا ہے؟۔ ۲۰۰۴ء کا جو بجٹ بنا تھا اس کو غور سے دیکھیں اس میں دو گراف ہیں۔ ایک گراف سے معلوم ہوتا ہے کہ مثلاً بجٹ کی آمد سو پیسہ یعنی ایک روپیہ ہے تو یہ روپیہ کہاں سے آیا۔ دوسرا گراف بتاتا ہے کہ بجٹ کے اخراجات (رواں بجٹ میں ۷۱۵ لاکھ کروڑ روپے ہے) میں کتنا پیسہ کس مد میں خرچ ہوتا ہے۔ بجٹ کے ان گرافوں کو سامنے رکھیے اور دیکھیے کہ سب سے اوپر کیا ہے؟ سب سے زیادہ آمدنی اور سب سے زیادہ خرچ کے بطور ایک تو ہے ایکسائز ڈیوٹی' دوسرا ہے قرض۔ ایکسائز ڈیوٹی جسے کارپوریٹ ٹیکس بھی کہتے ہیں' یہ آمدنی کا سب سے بڑا ماخذ نہیں ہے' آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے قرض۔ موجودہ بجٹ میں قرض کا حصہ کل آمد میں ۲۴ فیصد ہے اور ایکسائز ڈیوٹی کا ۱۹ فیصد' کارپوریٹ ٹیکس کا سولہ فیصد یعنی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ قرض ہے۔

بھارت کے اعداد و شمار دیکھیے' اخراجات کی تفصیلات دیکھیے۔ اخراجات سب سے زیادہ کس چیز میں ہوتے ہیں؟ آپ کو لگتا ہوگا کہ دفاع پر ہوتے ہوں گے' یوجناؤں اور منصوبوں پر ہوتے ہوں گے' لیکن ایسا نہیں۔ بجٹ میں دفاع پر صرف ۱۴ فیصد خرچ ہوتا ہے' مرکزی پلاننگ پر صرف سولہ فیصد' لیکن سود پر ۲۳ فیصد ہے۔ دفاع سے بھی زیادہ۔ قرض اور سود ایک ہی سکہ کے دو رخ ہیں۔ پہلے سال آپ حساب کریں گے کہ کتنا قرض دیا اور اس پر اتنا سود ہوا' لیکن ۵۴ سال بعد معلوم ہوگا کہ وہ دونوں مل کر قرض ہو گیے اور اب اس پر مسلسل سود بڑھ رہا ہے۔ اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ آج گلوبلائزیشن (Globalisation) کا نظریہ چل رہا ہے۔ ہمارے ملک اور دوسرے ملکوں پر' افریقہ کے کئی ملکوں میں بھی ۱۹۸۰ء سے گلوبلائزیشن شروع ہوا تو وہ غربت کی طرف بڑھتے چلے گیے۔ ۱۹۹۶ء میں ایک جائزہ لیا گیا تو پتہ چلا کہ ان ممالک نے جتنا قرض لیا تھا اس کا تین گنا وہ ادا کر چکے ہیں اور اب بھی تین گنا

سے زیادہ انہیں واپس کرنا ہے۔ بہت سے ملکوں کی حالت تو یہ ہے کہ ان پر چڑھا ہوا سود کبھی ختم نہیں ہونا ہے۔ ایک عجیب بات اور بھی ہے کہ یہ سود اور قرض ایسی کرشماتی چیز ہے کہ سب سے زیادہ ثروت مند اور طاقتور ملک بھی قرض میں ڈوبا ہوا ہے۔ ترقی پذیر ممالک میں برازیل ہے' ہندوستان ہے' ارجنٹائنا ہے' کیا یہ قرض میں ڈوبے ہوئے نہیں ہیں؟ غریب ممالک تو قرض کے باعث بالکل محتاج ہو کر رہ گئے ہیں' لیکن دنیا میں سب سے زیادہ جس ملک نے قرض لیا ہوا ہے وہ امریکہ ہے۔

ترقی پذیر ملکوں کے اوپر جو قرض ہے وہ ہے ڈھائی لاکھ کروڑ ڈالر' اور تنہا امریکہ کے اوپر قرض ہے ۲ء۲ لاکھ کروڑ ڈالر۔ اس کا راز کیا ہے؟ ایک ہاتھی کو ایک کسان کے گھر میں چھوڑ دیں اور رکھنے کے لیے کہیں تو کسان برباد ہو جائے گا۔ تو قرض کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ قرض ترقی پذیر ملکوں کو تو برباد کر رہا ہے' لیکن امریکہ سب سے زیادہ قرضہ لے کر بھی دنیا کا دادا بنا ہوا ہے۔ کیا اس معاملہ پر لوگوں کو سنجیدگی اور گہرائی سے سوچنے کی ضرورت نہیں ہے کہ قرض کیا ہے؟ کہاں سے آیا؟ آج کی دنیا میں قرض وہی مانا جاتا ہے جس پر سود ملے' بنا سود کے قرض نہیں ہوتا۔ آج کی معیشت ہے جسے آپ سرمایہ داری کہیں یا مارکیٹ اکانومی کہیں یا معاشی سامراج' جو بھی نام دیں' یہ معاشی نظام قرض پر اور سود پر ٹکا ہوا ہے اور اس نظام کی اصل بنیاد زر ہے۔ یہ پونجی لے گا' اس سے کاروبار کرے گا' تجارت کرے گا۔ اسے صرف پونجی واپس کرنے کے لیے محنت کرنی ہوگی' بلکہ کچھ بچت اور فائدہ کی بھی کوشش ہوگی۔ یہ کوشش ہوگی کہ فائدہ زیادہ سے زیادہ ہو' زیادہ سے زیادہ سرمایہ اور پونجی بچے اور زیادہ سے زیادہ پونجی کیسے بنے گی؟

دنیا میں جتنی بھی چیزیں ہیں' وہ زمین کی ہی کسی چیز سے بنی ہیں' ان کو ہم فطری وسائل و ذرائع کہتے ہیں۔ جب ان فطری ذرائع کو نیا روپ' نئی شکل اور نئی رفتار دیتے ہیں تو معیشت کی تخلیق ہوتی ہے۔ یعنی بنیادی طور پر معیشت زمینی چیزوں سے پیدا ہوتی ہے۔ ایک وقت آئے گا کہ فطری ذرائع ختم ہو سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب ہم ان کو مسلسل استعمال کرتے ہی جائیں گے تو ایک دن وہ ختم ہی ہوں گے۔ فطری ذرائع کے ختم ہو جانے کا مطلب ہوگا کہ دنیا ہی ختم ہو جائے۔ سرمایہ داری میں اس کو روکنے کا کوئی تصور نہیں۔ پاکستان اور بھارت جیسے ملک بھی سرمایہ داری کے حامل ہیں اور ان سے بھی آگے امریکہ و یورپ ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ ہم اتنا زر پیدا کریں گے' اس سے زیادہ نہیں کریں گے۔ امریکہ بھی

چاہتا ہے کہ امریکی شہری کا معیارِ زندگی بڑھتا ہی چلا جائے' رکنا نہیں چاہیے۔ یہی سوچ غریب ممالک کی بھی ہے' ہندوستان کے تعلیم یافتہ لوگوں کی ہے۔ ہندوستان کے معاشی ماہرین کی ہے کہ کتنا پروڈکشن ہو' کتنی ترقی ہو' اس کی کوئی حد نہیں ہے' اسے Endless Growth کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ غیر معقول رویہ اور نرا پاگل پن ہے۔ پوری دنیا میں اسی طرح کا نظامِ معیشت چل رہا ہے۔ اسی کو گلوبلائزیشن کہتے ہیں۔ آج ہم اس سے لڑنے کا طریقہ سوچتے ہیں۔ ایک طریقہ جو بہت معروف ہے' وہ سماج وادیوں اور سوشلسٹوں کا ہے۔ حالانکہ ان کی فکر اور طاقت اب کمزور پڑ گئی ہے۔ کمیونسٹ' سماج وادی (جن میں بعض گاندھی واد سے الگ سوچ رکھتے ہیں) یہ لوگ سرمایہ داروں کو توڑنا چاہتے ہیں لیکن یہ Endless Growth کا جو معاملہ ہے' اس سے یہ دستبردار نہیں ہو سکتے۔ تو نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو کانگریس کے ساتھ مل کر متحدہ پروگریسو الائنس بنانا پڑا۔ حالانکہ وزیر اعظم نے شروع ہی میں کہہ دیا تھا اور لوگ بھی جانتے تھے کہ گلوبلائزیشن ونجی کرن کے پابند ہیں۔ لیکن ایسے ہی آدمی کے ساتھ ان کو گٹھ بندھن کرنا پڑا۔

کچھ بڑے اور طاقتور ملک امریکہ' برطانیہ یا جرمنی و جاپان وغیرہ جو جی ایٹ (G-8) میں شامل ہیں یا ان کے علاوہ کچھ اور ملک بھی ہو سکتے ہیں جو یہ اعتماد رکھتے ہیں کہ پروڈکشن میں بے تحاشا اضافہ فائدہ مند ہے۔ باقی دنیا کے عوام کو یہ اعتماد حاصل نہیں' بلکہ انہیں یہ احساس ہے کہ حکمرانوں کے ترقی کے تمام تر وعدوں کے باوجود ملک میں کوئی ترقی نہیں ہو پا رہی ہے۔

آج کا جو موضوع ہے اس کی بنیاد یہ ہے کہ کیا معاشیات کا تصور بلاسود کے کیا جا سکتا ہے؟ کیا بلاسودی معیشت سے گلوبلائزیشن یا سرمایہ داری کو چیلنج دیا جا سکے گا؟ چیلنج بھی ہو تو کیا لوگ اسے مان لیں گے' اسے پسند کریں گے' اس کی طاقت بنے گی' کیا اس کا امکان ہے؟ میں اس بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ پہلے میں نے اس سلسلے میں زیادہ نہیں پڑھا تھا۔ اتنا معلوم تھا کہ قرآن سود کو حرام قرار دیتا ہے' اسے ربا کہا جاتا ہے' لیکن اس تصور پر مبنی لٹریچر بھی موجود ہے' یہ مجھے معلوم نہیں تھا۔ نجات اللہ صدیقی کی کتابیں اور پروفیسر خورشید احمد صاحب کا ایک لمبا مضمون نظر سے گزرا۔ مجھے خوشی ہوئی اور تعجب بھی کہ مسلم سماج میں اس موضوع پر غور وفکر چل رہا ہے اور کچھ کام چل رہا ہے کہ بلاسودی تصورِ معیشت کو دنیا میں عام کیا جائے' سود کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اب اگر سود کو ایک بار ختم کر دیا جائے تو سرمایہ داری کی بنیاد

ہی ہل جائے گی۔ قرض کا جو کھیل ہے اب وہ پچاس سال اور سو سال پہلے کے کھیل سے کئی گنا بڑھ گیا ہے۔ جو بڑے بڑے گھرانے ہیں' معاشی کارپوریشنز ہیں' ان کے بارے میں جلدی سے پتا نہیں چلے گا کہ ان کے پاس جو دولت و ثروت ہے' جو خزانے ہیں' کیا ان کو پیداوار (پروڈکشن) میں لگایا جا رہا ہے یا پونجی سے پونجی پیدا کی جا رہی ہے' پیسہ سے پیسہ بن رہا ہے جسے سٹہ بازی (Speculation) کہتے ہیں' جوا (Gambling) کہتے ہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے بازار' معاشی مراکز جیسے لندن و نیویارک ہیں' یہاں پیسہ پیداوار میں کم' پیسہ سے پیسہ بنانے میں زیادہ لگایا جاتا ہے۔ اس بارے میں لکھا جانے لگا ہے کہ پیسہ کا سیدھا استعمال نہیں ہو رہا ہے بلکہ اسے قرض پر دے کر اس سے پیسہ بنایا جا رہا ہے۔ آج عام سود کی شرح تین فیصد سے لے کر دو فیصد تک ہے' لیکن جب غریب ممالک امریکہ' ورلڈ بینک اور کمرشل بینک آف یورپ سے قرض لیتے ہیں تو اس کی شرح سود ہوتی ہے دس فیصد' ۱۳ فیصد' یہاں تک کہ ۱۸ فیصد بھی۔

غور فرمایئے کہ کتنا بڑا دائرہ اور جال سود کا ہے۔ فرض کیجیے کہ امریکہ یا برطانیہ نے ہم سے تین فیصد پر قرض لیا اور اسے افریقہ کے کسی ملک سے دس فیصد سود پر دے دیا تو بہت بڑی کمائی ہوگئی کہ نہیں؟ اسی طرح بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ ہم بھارت کو عطیہ دے رہے ہیں' وہ بھی یہی کھیل کھیل رہے ہیں۔ ایک تنظیم ہے ڈی ایف آئی ڈی' اس کے بارے میں ایک کیس سنا تھا۔ اُڑیسہ ایک غریب ریاست ہے۔ اس تنظیم نے فرض کیجیے کہ ایک ہزار کروڑ ڈالر امدادی قرض کے بطور دے دیے تو وہ لوگ یہ ایک ہزار کروڑ یک مشت نہیں دیتے بلکہ ۵۰۰ کروڑ یا ۳۰۰ کروڑ دے دیے۔ باقی جو پیسہ ہے وہ رہے گا تو ڈی ایف آئی ڈی کے خزانے میں ہی' لیکن لکھا جائے گا کہ اڑیسہ کو دے دیا گیا۔ اس کے پاس وہ رقم رہے گی تو اس پر سود بڑھتا رہے گا' جو پہلے سو کروڑ ڈالر ہوگا پھر پانچ سو کروڑ ڈالر ہو جائے گا۔ اسی پیسہ کو وہ اڑیسہ کو دے دیں گے یعنی اڑیسہ ہی کا پیسہ سود پر لگا کر اسی کو بطور قرض دیں گے۔ مجھے تو اس کی معلومات کم ہیں لیکن اگر کوئی اس کی تحقیق کرے گا' ڈیٹا اکٹھا کر کے جائزہ لے گا تو وہ حیران رہ جائے گا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ اسے اس معاشی ڈاکہ زنی اور لوٹ پاٹ کو تعبیر کرنے کے لیے الفاظ نہ ملیں گے۔ یہ کھلی چوری ہے' اسی غیر اخلاقی کام اور چوری کے بل پر امریکہ و یورپ کے لوگ ترقی کر رہے ہیں' معیارِ زندگی بڑھا رہے ہیں' اخراجات بڑھا رہے ہیں۔

ہندوستان کے ایک سیاست دان آزادی سے پہلے تھے دادا بھائی نوروجی۔ انہوں نے

معیشت میں ایک Drain Theory دی تھی۔ آج ہندوستان میں معاشیات پڑھائی جاتی ہے' اس میں نہ اس تھیوری کا ذکر ملتا ہے' نہ دادا بھائی نورو جی کی کتاب آج کے ماہرین اقتصادیات نے پڑھی ہے۔ اس تھیوری کا مطلب ہے کہ ایک جگہ سے سرمایہ نکال کر دوسری جگہ اکٹھا کرلیا۔ ترقی یافتہ ممالک ہندوستان' افریقہ یا لاطینی امریکہ کا سرمایہ لے کر اپنے یہاں ڈرین کر دیتے ہیں۔ نتیجہ؟ یہاں سوکھا پڑ جائے گا' ریزروخزانہ تک ختم ہو جاتا ہے' گڑھا ہو جاتا ہے جبکہ ان کے یہاں سرمایہ اور زر کے پہاڑ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پہلے یہ ہوتا تھا کہ وہ فوجی حملہ کرتے اور سیدھی لوٹ پاٹ کر کے لے جاتے تھے جیسا کہ قرونِ وسطیٰ کی تاریخ میں ہوا۔ آج سود کے ذریعہ یہ لوٹ چل رہی ہے۔ سود کے بارے میں سبھی مذاہب میں خبردار کیا گیا ہے' لیکن جتنے منظم طریقہ سے فرد اور اجتماعی سطح پر جس شدت سے اسلام نے اس کا راستہ روکا ہے اتنا کسی دوسرے مذہب نے نہیں۔

عیسائیت میں بھی سودخوری کی مذمت کی گئی ہے' لیکن اسلام نے باضابطہ اصول دیے ہیں۔ سودخوری کیا ہے؟ سود کیا ہے؟ اس کو انگریزی میں Unequal Exchange بھی کہتے ہیں۔ یعنی میں آپ کو اتنی چاندی دوں گا اور بدلہ میں اتنا ہی سونا لے لوں گا۔ یہ منصفانہ معاملہ نہیں ہوا بلکہ ناانصافی ہوئی۔ ایک آدمی مجھے کوئی گھٹیا چیز دے دے' مجھ سے بہترین چیز لے لے تو یہ صحیح نہیں' یہ تو لوگوں کی مجبوری کا فائدہ اٹھا کر ہی کیا جا سکتا ہے یا ان کو بے وقوف بنا کر کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے مذاہب نے اس کی مخالفت کی اور اسلام نے سب سے زیادہ اور باضابطہ مخالفت کی ہے' اس کی الگ الگ تقسیمیں کی ہیں۔ اب اگر ہم اس کی کوئی مہم چلاتے ہیں' اس کے خلاف لوگوں کو بیدار کرنے کے لیے آندولن چلانا چاہیں تو جلدی سے سب لوگوں کے ذہن میں نہیں آئے گا۔ ہم اس بارے میں ہندو' عیسائی' مسلمان سب سے بات کریں' کوئی بھی نہیں چاہے گا کہ ناانصافی ہو اور ظلم پر مبنی کاروبار چلے۔ لیکن ایسی کسی بھی مہم کو مسلمان ہی لے کر کھڑے ہو سکتے ہیں' اس لیے کہ ہر مسلمان کی نفسیات میں یہ بات پڑی ہوئی ہے کہ یہ پیغمبر (ﷺ) کا فرمایا ہوا ہے۔ چودہ سو سال سے مسلمان قوم کی ذہنیت اسی سے بن رہی ہے۔ یہ ان کے مذہب کا اصول ہے' اس لیے جتنی جلد اس کی سمجھ میں یہ آ جائے گا' جتنا جوش اسے محسوس ہوگا اتنی جلدی ہندو یا عیسائی کی سمجھ میں نہیں آئے گا۔ اس لیے ایسے کسی آندولن میں مسلمانوں کو ہی آگے آنا ہوگا۔

کہتے ہیں کہ دنیا ایک ہوگئی ہے۔ امریکہ کے سامان ہمارے یہاں اور پاکستان' افریقہ'

لاطینی امریکہ وغیرہ کے سامان وہاں بھیجے جاتے ہیں۔لیکن سوال یہ ہے کہ یہاں کون سا سامان آتا ہے؟ اس کو سمجھنے سے ہی سرمایہ داری کی بنیاد سمجھ میں آجاتی ہے۔ ایشیا' افریقہ' لاطینی امریکا جو مال یورپ وامریکہ کو بھیجتے ہیں' وہ کاشت کے ذریعہ پیدا خام مال ہوتا ہے' زمین کے اندر سے نکلی معدنیات ہوتی ہیں۔ خام مال کو غریب دنیا ترقی یافتہ ملکوں کو بھیجتی ہے۔اب سوال یہ ہے کہ ترقی یافتہ دنیا انہیں کیا دیتی ہے؟ جدید ٹیکنالوجی اور اس سے بنی ہوئی چیزیں' ہوائی جہاز' کمپیوٹر' موبائل ٹیلی فون۔ان کے دام کیسے لگائے جاتے ہیں؟ موٹر گاڑی میں جو المونیم لگایا جاتا ہے' وہ باکسائٹ اور المونیم کے داموں میں فرق ہے۔اسے آپ دیکھیں گے تو زمین وآسمان کا فرق پائیں گے۔ میں اڑیسہ سے آتا ہوں۔اڑیسہ میں کچھ معدنیاتی اشیاء ہیں' جن کی بہت مانگ ہے' آج کی دنیا میں بہت قیمت ہے۔آج دو چیزوں کی سب سے زیادہ اہمیت ہے' ایک ہے پٹرول اور دوسری المونیم' جو آج ایک نمبر کی دھات مانی جاتی ہے۔ یہاں ضمناً یہ بتادوں کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ جہاں معدنیاتی ذرائع ہیں' بہار میں' جھاڑکھنڈ میں' وہاں زیادہ ترقی اور زیادہ دولت ہوتی ہے' یہ محض بے وقوفی ہے۔دنیا میں کہیں بھی بتادیجیے کہ جہاں معدنیاتی کانیں ہیں وہ ترقی یافتہ اور خوشحال ہیں' بلکہ جہاں یہ چیزیں ہوتی ہیں وہ ملک تو برباد کردیے جاتے ہیں' جو ان سے محروم ہیں وہ آباد ہیں۔ جاپان کے پاس یہ کچھ نہیں ہے لیکن وہ ترقی یافتہ ہے۔آج کی سرمایہ داری اور جدید تہذیب نے یہی حال دنیا کا بنایا ہوا ہے۔آج تو المونیم نمبر ایک کی دھات ہے' کچھ پہلے اسٹیل تھا۔اُس وقت اڑیسہ اور مدھیہ پردیش سے لوہے کا پتھر جاپان کو جاتا تھا۔ پتھر پتھر کے دام پر جاتا تھا اور جاپان اس سے جو چیز بنا کر بیچتا تھا اس کے نرخ ہوائی جہاز کے ہوتے تھے۔آج کی دنیا جو ثروت منداور غریب ملکوں میں بٹی ہے اس کا راز یہی غیر مساوی تبادلہ ہے۔آج کوئی مہاپرش یا پیغمبر آجائے تو وہ اسی غیر مساوی تبادلہ کے خلاف جہاد کرے گا۔نتیجہ یہ ہوگا کہ امریکہ غریب اور افریقہ امیر ہوجائے گا اور دنیا سے یہ غیر مساوی تبادلہ ختم ہوجائے گا۔

اسلام نے سود لینے کو منع کردیا ہے' غیر منصفانہ تبادلہ سے روکا ہے' یہ سرمایہ کی جڑ پر ضرب کاری ہے۔ معاشیات اور کاروبار میں اخلاقیات کا لحاظ رکھنا یہ اسلام کی بہت بڑی دین ہے۔قرآن نے پیسہ اور مال کے کاروبار میں بھی اخلاقیات پر بہت زور دیا ہے۔ یہ اس کی بڑی عظیم دین ہے۔نجات اللہ صدیقی صاحب کا میں نے ابھی ذکر کیا تھا۔انہوں نے اس پر ہی زور دیا ہے کہ اسلام کے معاشی نقطۂ نظر کو اپنائیں' دنیا اسے اختیار کرے۔اس کے نقطۂ نظر

کی بنیاد دو چیزوں پر ہے۔ ایک یہ کہ ربا وسود حرام ہے' دوسرے میسر' جوا (Gambling) بھی حرام ہے جو پیسہ سے پیسہ بنانے کا نام ہے اور پیسہ سے پیسہ بنانا مہا پاپ ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ موجودہ معاشی بحران سے نکلنے کا راستہ کیا ہوگا؟ جواب یہ ہے کہ چودہ سو سال پہلے بتائے گئے اصولوں میں وہ راستہ موجود ہے' اس کی رہنمائی کو قبول کر لیں تو نئی عمارت کھڑی ہو سکتی ہے۔ ہندوؤں اور یہودیوں کا جو اخلاق ہے اس کی رو سے دھن (مال) بالکل تیاگ دینا چاہیے' مال ترک کرو۔ یہ معمولی چیز نہیں لیکن ساتھ ہی یہ عام آدمی کے لیے ممکن بھی نہیں۔ قرآن کے تصور کی یہی ایک خصوصیت ہے اور امتیاز ہے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ مال کمانا برا نہیں' مال کماؤ' سماجی بقا کے لیے' زندگی گزارنے کے لیے مال کمانا ہوگا' لیکن مال کی کمائی میں اخلاقیات کا دامن نہ چھوڑو' کیونکہ یہ مال جو آپ کے پاس ہے یہ آپ کے پاس امانت ہے' آپ اس کے ٹرسٹی ہیں۔ مہاتما گاندھی نے بھی ٹرسٹی شپ کا نظریہ پیش کیا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ انہوں نے اس نظریے کو اسلام سے لیا ہے' انہوں نے کہیں پڑھا ہوگا یا قرآن کا مطالعہ کیا ہوگا۔

اب سوال یہ ہے کہ قرآن کے پاس اصول کو نافذ کرنے میں پیسہ کے ادھار لین دین کا کیا ہوگا؟ اس کا طریقہ ہے جب ہم ادھار کو الگ کر دیں (موجودہ) قرض کو الگ' ہم کمزور حالت میں ہیں' پیسہ کی ضرورت ہے تو ادھار کیسے ملے گا؟ اسلام نے اس کے دو طریقے بتائے ہیں۔ سامان' کھانے کی اشیاء وغیرہ پہلے لیں' پیسہ بعد میں دیں تو اس کریڈٹ میں تھوڑا سا زیادہ پیسہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس کو مرابحہ کہتے ہیں۔ اب اس سے آگے بڑھ کر کاروبار کرنا ہے' تجارت کرنی ہے تو وہ آگے آئے گا ''مضاربت'' کے دائرہ میں۔ مثلاً آپ کے پاس پیسہ ہے' میرے پاس نہیں ہے اور میں کوئی کام کرنا چاہتا ہوں تو آپ پیسے دے کر اس کام میں حصہ دار ہو جائے' نفع میں بھی حصہ داری ہوگی نقصان میں بھی۔ ہمیشہ نفع ہی ملے ایسا کوئی مذہبی یا اخلاقی اصول دنیا میں نہیں۔

کسی کام میں ہمیشہ آپ کو فائدہ ہی ہو نہ ایسا ہندو دھرم کہتا ہے' نہ اسلام' نہ عیسائیت' نہ یہودیت۔ یہ تو خالص سرمایہ داری کا نظریہ ہے۔ کبھی نقصان کبھی فائدہ' یہ غیر سرمایہ دارانہ نظریہ ہے۔ کیوں نہ ہم اس اصول کو اقتصادیات میں لاگو کرنے کی مہم چلائیں۔ صدیقی صاحب لکھتے ہیں: ''گزشتہ پچاس سال میں مختلف اسلامی ملکوں حتیٰ کہ بعض یورپی ملکوں میں بھی غیر سودی کاروبار کرنے والے ادارے بنے ہیں اور یہ معاشی نظریہ پھیل رہا ہے' لیکن ابھی کسی بڑے پیمانے پر اس کا چرچا نہیں ہوا ہے' جہاں کہیں تنظیمیں بنی ہیں.....'' نجات

صاحب کہتے ہیں کہ بعض مسلم حکمران جوش میں آ کے شریعت کو لاگو کرنے (شریعت لاگو ہوگی تو اسی کے مطابق اقتصادیات بھی چلے گی) کا اعلان کر دیتے ہیں' لیکن چونکہ اس کا کوئی تصور نہیں ہوتا اور وہ موجودہ سامراج واد سے دبے ہوئے ہیں' اس کے پھندے میں جکڑے ہیں اس لیے کچھ کر نہیں پاتے' کیونکہ صحیح طریقہ کا احساس وشعور ہی نہیں۔ جیسے پاکستان یا ایران وغیرہ جو جوشِ حکومت یا جوشِ عقیدت میں ایسے اعلانات کر دیتے ہیں۔ ایران میں جو برطانوی مالیاتی ادارے ہیں' ان میں اتنا تو ہے کہ غریبوں کو تعمیر کرنے کے لیے کچھ بینکوں سے پیسہ مل جاتا ہے' اس سے زیادہ نہیں۔ سرمایہ داری اور پونجی واد سے لڑنا ہو تو بلاسودی نظام معیشت اپنانی ہوگی' اسی سے معیشت میں بنیادی تبدیلی آئے گی۔ معیشت میں تبدیلی آ گئی تو نہ بل گیٹس جیسے رئیس ہوں گے اور نہ غریب ملک غریب رہیں گے۔

۱۷۶۰ء سے پہلے یعنی جب سے یورپی سامراج واد ہمارے ملکوں میں در آیا تب یورپ' ایشیا اور افریقہ کے ملکوں میں اتنا زیادہ فرق نہیں تھا۔ یورپ سے تو بھارت کی معاشی حالت اچھی تھی' چین کی اچھی تھی۔ گزشتہ تین صدیوں میں جو زبردست فرق آ گیا ہے وہ تین سو سال پہلے نہیں تھا۔ سامراج کے غلبہ کے بعد سے لگاتار یہ معاشی نابرابری بڑھ رہی ہے' بے روزگاری بڑھ رہی ہے۔ یہی دو سبب ہیں' ایک تو ہمارے یہاں سے جو سامان لے جایا جا رہا ہے اور ان کا جو سامان ہمارے یہاں آ رہا ہے' دونوں میں غیر مساوی تبادلہ ہے۔ نمبر دو انہوں نے ہمیں اپنا محتاج بنا کر رکھ دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اپنی معیشت کو بہتر بنانے کے لیے ہم سے قرضہ لو' قرضہ دے کر پھر وہ ہمیں لوٹتے ہیں' ان کی ترقی ہوتی ہے۔ اس بارے میں ہم لوگوں میں جا کر انہیں بیدار کریں' مہم چلائیں تو وہ ایک انقلابی کام ہوگا۔ ثروت اور مال کے بارے میں لوگوں میں جو خیالات پھیلے ہوئے ہیں ان کو دور کرنا ہوگا۔ یہ واضح کرنا ہوگا کہ مال تو ناگزیر ہے' لیکن یہ نہیں ہونا چاہیے کہ کسی کے پاس پیسہ ہے تو وہ پیسہ سے پیسہ بنائے' اس کا مال بڑھتا ہی چلا جائے' کیونکہ یہ انسانیت اور اخلاق کے خلاف ہے۔ ہماری اس کوشش سے لوگوں میں بیداری آئے گی' انسان کی شعوری بیداری ظلم و ناانصافی ختم کرنے میں کسی بھی بم یا کسی بھی میزائل سے زیادہ کارگر ہوگی۔

(بشکریہ: سہ روزہ ''دعوت'' نئی دہلی۔ ۴ مارچ ۲۰۰۵ء)

اسلامی نظامِ زندگی

مسلمان کا طرزِ حیات (۴۳)

علامہ ابوبکر جابر الجزائری کی شہرۂ آفاق کتاب

"مِنهاجُ المسلم" کا اردو ترجمہ

مترجم : مولانا عطاء اللہ ساجد

کتاب العبادات

آٹھواں باب

۶) نماز کا تفصیلی طریقہ

نماز کا تفصیلی طریقہ یہ ہے کہ:

نماز کا وقت شروع ہو جانے کے بعد مسلمان پاک صاف ہو کر، جسم کے ضروری اعضاء کو چھپا کر رو بہ قبلہ کھڑا ہو، اور نماز کی اقامت کہے۔ اقامت سے فارغ ہو کر کندھوں تک دونوں ہاتھ اٹھائے۔ اُس وقت اس کی نیت وہ نماز ادا کرنے کی ہو جو نماز پڑھنا چاہتا ہے، اور اللہ اکبر کہے۔ پھر دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر سینے پر رکھے۔ پھر دعائے استفتاح پڑھے اور آہستہ آواز میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھے۔ پھر سورۃ الفاتحہ پڑھے۔ جب وَلَا الضَّالِّيْنَ پر پہنچے تو آمین کہے۔ پھر کوئی سورت پڑھے، یا جتنی آیتیں آسانی سے پڑھ سکے پڑھ لے۔ پھر کندھوں تک ہاتھ اٹھا کر اللہ اکبر کہتے ہوئے رکوع کرے۔ ہتھیلیاں گھٹنوں پر رکھے اور کمر پھیلائے۔ سر نہ زیادہ اونچا کرے نہ زیادہ نیچا کرے، بلکہ کمر کے برابر رکھے، پھر رکوع کی حالت میں تین بار یا اس سے زیادہ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ کہے۔ پھر رکوع سے سر اٹھائے اور کندھوں تک ہاتھ اٹھاتے ہوئے سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہے۔ جب سیدھا کھڑا ہو جائے تو کہے: رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدے کے لیے جھکے۔ سجدہ سات اعضاء پر کرے، یعنی چہرہ، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں قدم۔

پیشانی اور ناک کو زمین پر لگائے اور تین بار یا اس سے زیادہ مرتبہ سُبُحَانَ رَبِّیَ الْاَعُلٰی کہے۔ سجدہ میں بھلائی کی کوئی دعا بھی مانگ لے تو بہتر ہے۔ پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدے سے سر اٹھائے اور بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھ جائے اور دایاں پاؤں کھڑا کرے اور کہے: رَبِّ اغُفِرُلِیُ وَارُحَمُنِیُ وَاهُدِنِیُ وَعَافِنِیُ وَارُزُقُنِیُ. پھر پہلے سجدے کی طرح دوسرا سجدہ کرے۔ اس کے بعد دوسری رکعت کے لیے اٹھے اور پہلی رکعت کی طرح یہ رکعت بھی ادا کرے۔ اس کے بعد تشہد کے لیے بیٹھے۔ اگر نماز صرف دو رکعت ہو (مثلاً فجر کے فرض) تو تشہد کے بعد درود شریف پڑھے اور اَلسَّلَامُ عَلَیُکُمُ وَرَحُمَةُ اللّٰهِ کہہ کر دائیں طرف مُنہ پھیرے' پھر اسی طرح بائیں طرف سلام پھیر کر نماز سے فارغ ہو جائے۔

اگر نماز دو رکعت سے زائد ہو تو تشہد پڑھ کر اللہ اکبر کہتا ہوا کھڑا ہو جائے اور کندھوں تک ہاتھ اٹھائے اور مذکورہ بالا طریقے سے نماز مکمل کرے۔ لیکن تیسری اور چوتھی رکعت میں صرف سورۃ الفاتحہ پڑھے۔ جب رکعتیں پوری ہو جائیں تو سرین کو زمین پر لگا کر تورّک کے طریقے سے بیٹھے۔ دایاں پاؤں کھڑا کرے' پاؤں کی انگلیوں کا نچلا حصہ زمین سے لگا ہوا ہو۔ پھر تشہد پڑھے اور نبی اکرمﷺ پر درود پڑھے۔ جہنم کے عذاب سے' آگ کے عذاب سے' قبر کے عذاب سے' زندگی اور موت کے فتنے اور مسیح دجّال کے فتنے سے اللہ کی پناہ مانگے۔ دائیں طرف مُنہ پھیرتے ہوئے بلند آواز سے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے۔ بائیں طرف مُنہ پھیرتے ہوئے دوبارہ سلام کہے' اگرچہ اس کے قریب کوئی انسان موجود نہ ہو۔

۷) نماز باجماعت' امامت اور مسبوق کے مسائل

ا) نماز باجماعت

(۱) نماز باجماعت کا حکم: نماز باجماعت ہر اُس مؤمن کے لیے واجب سنت ہے جسے حاضر ہونے سے کوئی عذر مانع نہ ہو۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((مَا مِنُ ثَلَاثَةٍ فِیُ قَرُیَةٍ وَلَا بَدُوٍ لَا تُقَامُ فِیُهِمُ الصَّلَاةُ اِلَّا قَدِ اسُتَحُوَذَ عَلَیُهِمُ الشَّیُطَانُ' فَعَلَیُکُمُ بِالُجَمَاعَةِ' فَاِنَّمَا یَاُکُلُ الذِّئُبُ الُقَاصِیَةَ))(۱)

۱) مسند احمد۔ وسنن ابی داوٗد' کتاب الصلاۃ' باب فی التشدید فی ترک الجماعۃ۔ وسنن النسائی' کتاب الامامۃ' باب التشدید فی ترک الجماعۃ۔ ومستدرک حاکم' کتاب الصلاۃ' باب ما من ثلاثۃ فی قریۃ او بدو...... الخ (اس میں آخری جملہ نہیں ہے) یہ حدیث صحیح ہے۔

''کسی بستی یا صحرا میں اگر تین آدمی ہوں اور ان میں نماز (باجماعت) قائم نہ ہوتی ہو تو شیطان اُن پر غالب آ جاتا ہے۔ اس لیے جماعت کو لازم پکڑو' کیونکہ بھیڑیا ریوڑ کی اُس بکری کو کھاتا ہے جو (ریوڑ سے الگ ہو کر) دور نکل جائے''۔

نیز فرمایا:

((وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَقَدْ ھَمَمْتُ اَنْ آمُرَ بِحَطَبٍ فَیُحْطَبَ ثُمَّ آمُرَ بِالصَّلَاۃِ فَیُؤَذَّنَ لَھَا ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا فَیَـؤُمَّ النَّاسَ ثُمَّ اُخَالِفَ اِلٰی رِجَالٍ لَا یَشْھَدُوْنَ الصَّلَاۃَ فَاُحَرِّقَ عَلَیْھِمْ بُیُوْتَھُمْ)) (۱)

''قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں نے ارادہ کیا تھا کہ ایندھن جمع کرنے کا حکم دوں' وہ جمع کیا جائے' پھر نماز (کی اذان) کا حکم دوں تو نماز کے لیے اذان کہی جائے' پھر میں کسی شخص کو حکم دوں وہ لوگوں کو نماز پڑھا دے اور میں اُن مَردوں کی طرف چلا جاؤں جو نماز میں حاضر نہیں ہوتے' اور ان مَردوں سمیت اُن کے گھروں کو جلا دوں''۔

ایک نابینا صحابی نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! مجھے کوئی مسجد میں لانے والا نہیں تو آپ ﷺ نے اسے (نماز باجماعت میں حاضر نہ ہونے کی) اجازت دے دی۔ جب وہ واپس ہوا تو حضور ﷺ نے اسے بلایا اور کہا: ''کیا آپ نماز کی اذان سنتے ہیں؟'' اس نے عرض کیا: جی ہاں۔ ارشاد ہوا: ''پھر (مؤذن کی پکار) قبول کرو''۔ (۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے دیکھا ہے کہ اس (نماز باجماعت) سے صرف منافق ہی پیچھے رہتا تھا جس کا منافق ہونا (سب کو) معلوم ہوتا تھا۔ ایک آدمی کو دو مَردوں کے درمیان سہارا دے کر لایا جاتا تھا حتیٰ کہ اسے صف میں کھڑا کر دیا جاتا''۔ (۳)

(۲) نماز باجماعت کی فضیلت: نماز باجماعت بہت فضیلت اور اجرِ عظیم کی حامل ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

---

۱) صحیح البخاری' کتاب الاذان' باب وجوب صلاۃ الجماعۃ۔وصحیح مسلم' کتاب المساجدومواضع الصلاۃ'باب فضل صلاۃ الجماعۃ وبیان التشدید فی التخلف عنھا (نحوہ)۔

۲) صحیح مسلم' کتاب المساجد ' باب یجب اتیان المسجد علی من سمع النداء۔

۳) صحیح مسلم' کتاب المساجد' باب فضل صلاۃ الجماعۃ من سنن الھدی۔

((صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ اَفْضَلُ مِنْ صَلَاةِ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَعِشْرِيْنَ دَرَجَةً)) (۱)

''نماز باجماعت اکیلے آدمی کی نماز سے ستائیس درجہ افضل ہے۔''

نیز فرمایا:

((صَلَاةُ الرَّجُلِ فِيْ جَمَاعَةٍ تَزِيْدُ عَلٰى صَلَاتِهٖ فِيْ بَيْتِهٖ وَصَلَاتِهٖ فِيْ سُوْقِهٖ بِضْعًا وَعِشْرِيْنَ دَرَجَةً وَذٰلِكَ اَنَّ اَحَدَهُمْ اِذَا تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ اَتَى الْمَسْجِدَ لَا يُرِيْدُ اِلَّا الصَّلَاةَ فَلَمْ يَخْطُ خُطْوَةً اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَةً وَحَطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيْئَةً حَتّٰى يَدْخُلَ الْمَسْجِدَ، وَاِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ كَانَ فِيْ صَلَاةٍ مَا كَانَتِ الصَّلَاةُ مَمَّا تَحْبِسُهُ ، وَالْمَلَائِكَةُ يُصَلُّوْنَ عَلٰى اَحَدِكُمْ مَا دَامَ فِيْ مَجْلِسِهِ الَّذِيْ صَلّٰى فِيْهِ ، يَقُوْلُوْنَ : اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهٗ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ مَا لَمْ يُحْدِثْ)) (۲)

''مرد کا جماعت سے نماز پڑھنا اس کے گھر یا بازار میں نماز پڑھ لینے سے بیس سے زیادہ درجے بہتر ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص وضو کرتا ہے اور سنوار کر وضو کرتا ہے، پھر مسجد میں آتا ہے اور صرف نماز کے ارادے سے آتا ہے، تو وہ جو قدم بھی چلتا ہے اُس قدم کے بدلے اللہ تعالیٰ اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور ایک گناہ معاف کر دیتا ہے حتیٰ کہ یہ شخص مسجد میں داخل ہو جائے۔ پھر جب وہ مسجد میں داخل ہوتا ہے تو وہ نماز ہی میں رہتا ہے جب تک نماز (باجماعت کا انتظار) اسے روکے ہوئے ہے۔ اور کوئی شخص (نماز باجماعت سے فارغ ہونے کے بعد) جب تک اس جگہ رہتا ہے جہاں اس نے نماز پڑھی تب تک فرشتے اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں: ''اے اللہ اسے بخش دے! اے اللہ اس پر رحم کر!'' جب تک وہ بے وضو نہ ہو جائے''۔

(۳) نماز باجماعت کے لیے کم از کم تعداد: نماز باجماعت کے لیے کم از کم دو افراد کی موجودگی ضروری ہے، ایک امام اور ایک مقتدی۔ نمازیوں کی تعداد جتنی زیادہ ہوگی اللہ تعالیٰ کو وہ نماز زیادہ پسند ہوگی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

---

۱) صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب فضل صلاة الجماعة وبیان التشدید فی التخلف عنها۔

۲) صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب فضل صلاة الجماعة۔ وصحیح مسلم، کتاب المساجد، باب فضل صلاة الجماعة وانتظار الصلاة۔

((اِنَّ صَلَاةَ الرَّجُلِ مَعَ الرَّجُلِ اَزْكٰى مِنْ صَلَاتِهٖ وَحْدَهٗ وَصَلَاتُهٗ مَعَ الرَّجُلَيْنِ اَزْكٰى مِنْ صَلَاتِهٖ مَعَ الرَّجُلِ وَمَا كَثُرَ فَهُوَ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى)) (۱)

''یقیناً آدمی کا ایک آدمی کے ساتھ مل کر نماز پڑھنا اکیلے کی نماز سے زیادہ پاکیزہ ہے۔ اور دو آدمیوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھنا ایک آدمی کے ساتھ نماز پڑھنے کی نسبت زیادہ پاکیزہ تر ہے اور تعداد جتنی زیادہ ہوگی اللہ تعالیٰ کو اُسی قدر زیادہ محبوب ہوگی''۔

نماز باجماعت مسجد میں ادا کرنا افضل ہے۔ اور دور کی مسجد کا ثواب قریب کی مسجد سے زیادہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اَعْظَمَ النَّاسِ اَجْرًا فِی الصَّلَاةِ اَبْعَدُهُمْ اِلَيْهَا مَمْشًى)) (۲)

''نماز میں زیادہ ثواب حاصل کرنے والا شخص وہ ہے جو زیادہ دور سے اس (نماز) کی طرف چل کر آتا ہے''۔

(۴) نماز باجماعت میں عورتوں کی شرکت: عورتیں مسجد میں آ کر نماز باجماعت میں شریک ہو سکتی ہیں بشرطیکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو' اور انہیں تکلیف پہنچنے کا خطرہ نہ ہو۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((لَا تَمْنَعُوْا اِمَاءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ)) (۳)

''اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے مت روکو''

البتہ انہیں سادہ لباس میں بغیر خوشبو لگائے آنا چاہیے۔ اگر عورت نے خوشبو لگائی ہوئی ہو تو اس کے لیے مسجد میں جا کر نماز باجماعت میں شریک ہونا جائز نہیں۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((اَيُّمَا امْرَاَةٍ اَصَابَتْ بَخُوْرًا فَلَا تَشْهَدْ مَعَنَا الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ)) (٤)

''جس عورت نے خوشبو لگائی ہو وہ ہمارے ساتھ عشاء کی نماز میں حاضر نہ ہو''

---

۱) مسند احمد۔ وسنن ابی داوٗد' کتاب الصلاۃ' باب فی فضل صلاۃ الجماعۃ۔ وسنن النسائی۔

۲) صحیح مسلم' کتاب المساجد' باب فضل کثرۃ الخطا الی المساجد۔

۳) صحیح مسلم' کتاب الصلاۃ' باب خروج النساء الی المساجد اذا لم یترتب علیه فتنۃ۔

٤) صحیح مسلم' کتاب الصلاۃ' باب خروج النساء الی المساجد اذا لم یترتب علیه فتنۃ وانها لا تخرج مطیبۃ۔

اور عورت کا گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے' کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے:

((وَبُيُوْتُهُنَّ خَيْرٌ لَّهُنَّ)) (۱)

''اور اُن کے گھر اُن کے لیے بہتر ہیں۔''

(۵) نماز باجماعت کے لیے گھر سے نکل کر راستہ طے کرنا: جو شخص مسجد میں جانے کے لیے گھر سے نکلے اس کے لیے مستحب ہے کہ پہلے بایاں پاؤں گھر سے باہر رکھے اور کہے:

بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ. اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ اَنْ اَضِلَّ اَوْ اُضَلَّ اَوْ اَزِلَّ اَوْ اُزَلَّ اَوْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ اَوْ اَجْهَلَ اَوْ يُجْهَلَ عَلَیَّ. اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ بِحَقِّ السَّائِلِيْنَ عَلَيْکَ وَبِحَقِّ مَمْشَایَ هٰذَا' فَاِنِّیْ لَمْ اَخْرُجْ اَشَرًا وَلَا بَطَرًا وَلَا رِيَاءً وَلَا سُمْعَةً ' خَرَجْتُ اتِّقَاءَ سَخَطِکَ وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِکَ' اَسْاَلُکَ اَنْ تُنْقِذَنِیْ مِنَ النَّارِ وَاَنْ تَغْفِرَلِیْ ذُنُوْبِیْ جَمِيْعًا فَاِنَّـهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ. اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَفِیْ لِسَانِیْ نُوْرًا' وَفِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا' وَفِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا' وَعَنْ يَمِيْنِیْ نُوْرًا' وَعَنْ شِمَالِیْ نُوْرًا' وَمِنْ فَوْقِیْ نُوْرًا. اَللّٰهُمَّ اَعْظِمْ فِیَّ نُوْرًا (۲)

''اللہ کے نام سے (میں گھر سے نکلتا ہوں)۔ میں نے اللہ پر بھروسا کیا۔ اللہ کی توفیق کے بغیر نہ (نیکی کی) طاقت ہے نہ (برائی سے) بچاؤ۔ اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں اس بات سے کہ میں راہ بھٹکوں یا بھٹکایا جاؤں' یا پھسلوں یا پھسلایا جاؤں' یا ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے' یا میں (کسی سے) جہالت سے پیش آؤں یا مجھ سے کوئی جہالت (اور بدتمیزی) سے پیش آئے۔ اے اللہ! میں تجھ سے اس حق کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں جو سوال کرنے والوں کا حق تجھ پر ہے اور اپنے اس چلنے کے حق کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں۔ میں نہ فخر و تکبر سے نکلا ہوں نہ دکھاوے اور شہرت کے لیے۔ میں تو تیری ناراضی سے بچنے کے لیے اور تیری رضا کی تلاش میں نکلا ہوں۔ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے آگ کے عذاب سے نجات دے اور میرے سب گناہ معاف کر دے' کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف نہیں کر سکتا۔

---

۱) مسند احمد ۔ و سنن ابی داؤد۔

۲) اس دعا کا ابتدائی حصہ ''يُجْهَلَ عَلَیَّ'' تک ترمذی میں ہے۔ باقی بخاری اور مسلم میں الفاظ کے معمولی فرق سے موجود ہے۔

اے اللہ! میرے دل میں بھی نور پیدا کر دے اور میری زبان میں بھی نور، اور میرے کانوں میں نور اور میری آنکھوں میں نور، اور میرے دائیں نور اور میرے بائیں نور اور میرے اوپر نور اور میرے اندر عظیم نور پیدا کر دے''۔

پھر وقار و سکون سے چلے، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا اَتَیْتُمُ الصَّلَاۃَ فَعَلَیْکُمْ بِالسَّکِیْنَۃِ فَمَا اَدْرَکْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَکُمْ فَاَتِمُّوْا)) (۱)

''جب تم نماز کی طرف آؤ تو آرام اور اطمینان سے آؤ۔ پس جو نماز تمہیں مل جائے پڑھ لو اور جو چھوٹ جائے وہ مکمل کر لو''۔

جب مسجد میں پہنچے تو پہلے دایاں پاؤں اندر رکھے اور کہے:

بِسْمِ اللّٰہِ ، اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِوَجْھِہِ الْکَرِیْمِ وَسُلْطَانِہِ الْقَدِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ، اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ (۲)

''اللہ کے نام سے داخل ہوتا ہوں۔ میں مردود شیطان سے عظمت والے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں اور اس کے معزز چہرۂ اقدس کی پناہ میں آتا ہوں اور اس کی قدیم بادشاہی کی پناہ میں آتا ہوں۔ اے اللہ! میرے گناہ بخش دے اور میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے''۔

مسجد میں بیٹھنے سے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((اِذَا دَخَلَ اَحَدُکُمُ الْمَسْجِدَ فَلَا یَجْلِسْ حَتّٰی یُصَلِّیَ رَکْعَتَیْنِ)) (۳)

''تم میں سے کوئی جب مسجد میں داخل ہو تو دو رکعتیں پڑھے بغیر نہ بیٹھے''۔

البتہ اگر سورج طلوع یا غروب ہو رہا ہو تو اس وقت تحیۃ المسجد نہ پڑھے، یوں ہی بیٹھ جائے۔ کیونکہ ان دونوں وقتوں میں نماز پڑھنے سے آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ (۴)

---

۱) صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب قول الرجل فاتتنا الصلاۃ۔ اس کے بعض الفاظ مسلم میں بھی ہیں۔

۲) یہ الفاظ مختلف احادیث سے لیے گئے ہیں۔ دیکھیے سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، فیما یقولہ الرجل عند دخولہ المسجد۔ وجامع الترمذی ۔ و مسند احمد۔ وسنن ابن ماجہ۔

۳) صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب استحباب تحیۃ المسجد برکعتین وکراھۃ الجلوس قبل صلاتھما۔

٤) دیکھیے صحیح البخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ۔ وصحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین۔

جب مسجد سے نکلے تو پہلے بایاں پاؤں مسجد سے باہر رکھے اور وہی دعا پڑھے جو مسجد میں داخل ہوتے وقت پڑھی تھی۔ لیکن اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ کے بجائے اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ فَضْلِکَ کہے (یعنی اے اللہ! میرے لیے اپنے فضل کے دروازے کھول دے)۔

ب) امامت

(۱) امام کی شرطیں: امام کے لیے شرط ہے کہ وہ مرد، نیک سیرت اور دین کی سمجھ رکھنے والا ہو۔ لہٰذا عورت کے لیے مردوں کا امام بننا درست نہیں، نہ وہ فاسق امام بن سکتا ہے جو فسق میں مشہور ہو، البتہ اگر وہ فاسق شخص حکمران ہو اور اس سے ایذا کا خطرہ ہو تو پھر اُس کے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ اَن پڑھ اور دین کے مسائل سے ناواقف شخص اپنے جیسے افراد کا امام بن سکتا ہے۔ حدیث میں ہے:

((لَا تَؤُمَّنَّ امْرَاَۃٌ رَجُلًا وَلَا یَـؤُمَّ اَعْرَابِیٌّ مُھَاجِرًا وَلَا یَؤُمَّ فَاجِرٌ مُؤْمِنًا اِلَّا اَنْ یَّقْھَرَہٗ بِسُلْطَانٍ یَخَافُ سَیْفَہٗ وَسَوْطَہٗ)) (۱)

''کوئی عورت مَرد کی امام نہ بنے، اور کوئی دیہاتی مہاجر کا امام نہ بنے اور نہ فاجر شخص مؤمن (باعمل) کا امام بنے، اِلّا یہ کہ وہ اسے اپنے اقتدار کی وجہ سے مجبور کر دے جس کی تلوار یا کوڑے کا اسے ڈر ہو (تب اس کے پیچھے نماز پڑھ لے)۔''

یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے، لیکن اس پر اکثر علماء نے عمل کیا ہے۔ جن احادیث میں عورت کے امام بننے کا ذکر ہے اس سے مراد صرف گھر کی عورتوں اور بچوں کو جماعت سے نماز پڑھانا ہے۔ اور جن احادیث میں فاسق کے پیچھے بزرگوں کے نماز پڑھنے کا ذکر ہے وہ مجبوری کی حالت میں ہے۔

(۲) امامت کا مستحق: امام بننے کا زیادہ مستحق وہ شخص ہے جسے قرآن زیادہ یاد ہو، پھر وہ شخص جسے دین کی زیادہ سمجھ ہو، پھر وہ شخص جو زیادہ متقی ہو، پھر وہ شخص جو عمر میں بڑا ہو۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

((یَؤُمُّ الْقَوْمَ اَقْرَءُ ھُمْ لِکِتَابِ اللّٰہِ، فَاِنْ کَانُوْا فِی الْقِرَاءَۃِ سَوَاءً فَاَعْلَمُھُمْ بِالسُّنَّۃِ، فَاِنْ کَانُوْا فِی السُّنَّۃِ سَوَاءً فَاَقْدَمُھُمْ ھِجْرَۃً، فَاِنْ کَانُوْا فِی

---

۱) سنن ابن ماجه، کتاب اقامة الصلاة والسنة فیها، باب فی فرض الجمعة۔

الْهِجْرَةِ سَوَاءً فَاَقْدَمُهُمْ سِلْمًا)) (۱)

''لوگوں کو وہ شخص نماز پڑھائے جو کتاب اللہ زیادہ پڑھا ہوا ہو' اگر وہ قراءت میں برابر ہیں پھر وہ جو سنت کا زیادہ عالم ہو' اگر سنت (کے علم) میں بھی برابر ہوں پھر وہ جس نے پہلے ہجرت کی ہو' اگر ہجرت میں برابر ہوں تو پھر وہ جو پہلے اسلام لایا ہے''۔

البتہ حکمران اور گھر کا مالک دوسروں سے زیادہ حق رکھتا ہے' کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((لَا يَؤُمَّنَّ الرَّجُلَ فِيْ اَهْلِهٖ وَلَا سُلْطَانِهٖ اِلَّا بِاِذْنِهٖ)) (۲)

''کوئی شخص کسی کا اس کے اہل اور حلقۂ اقتدار میں امام نہ بنے مگر اس کی اجازت سے''

مذکورہ بالا حدیث میں اس جملہ کا اضافہ سعید بن منظورؒ کی روایت میں ہے۔

(۳) بچے کی امامت: بچہ نفل نماز میں امام بن سکتا ہے' فرض نماز میں نہیں' کیونکہ نفل نماز پڑھنے والے کے پیچھے فرض نماز ادا نہیں کی جا سکتی۔ اور بچے کی نماز چونکہ نفل ہوتی ہے لہٰذا فرض نماز میں وہ امام نہیں بن سکتا۔ اس کی دلیل آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان ہے:

((لَا تَخْتَلِفُوْا عَلٰى اِمَامِكُمْ))

''اپنے امام سے اختلاف نہ کرو'' (۳)

اور نفل نماز پڑھنے والے کی اقتداء میں فرض نماز ادا کرنا امام سے اختلاف کرنا ہے۔

اس مسئلہ میں امام شافعی رحمہ اللہ نے اکثر علماء سے اختلاف کیا ہے اور فرض نماز میں بچے کی امامت کو صحیح قرار دیا ہے۔ ان کی دلیل حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ اس میں بیان ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے انہیں فرمایا تھا: ''تمہیں وہ شخص نماز پڑھائے جو زیادہ قرآن پڑھا ہوا ہے''۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کو قرآن زیادہ یاد تھا۔ وہ فرماتے ہیں: ''میں ان کی امامت

---

۱) صحیح مسلم' کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ' باب من احق بالامامۃ۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''پھر وہ جو عمر میں بڑا ہو''۔

۲) یہ حدیث صحاح ستہ اور دیگر دستیاب کتب احادیث میں نہیں ملی۔

۳) ان الفاظ میں صحاح ستہ اور دیگر دستیاب کتب احادیث میں اس حدیث کا حوالہ نہیں ملا۔ لیکن آگے مسئلہ نمبر ۱۱ میں اسی مفہوم کی حامل متفق علیہ حدیث آ رہی ہے۔

کرتا تھا اور میری عمر سات سال تھی''۔ (۱)

جمہور علماء نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (۲) وہ کہتے ہیں: اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو تو بھی اس بات کا احتمال موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا علم نہیں ہوا کہ ایک بچہ ان کو نماز پڑھاتا ہے' کیونکہ وہ لوگ مدینہ سے دور صحرا میں رہتے تھے۔ ☆

(۴) عورت کی امامت: عورت عورتوں کو نماز پڑھا سکتی ہے۔ وہ صف کے درمیان کھڑی ہوگی۔ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے اُمّ ورقہ بنت نوفل رضی اللہ عنہا کے لیے اُن کے گھر میں ایک مؤذن مقرر فرمایا تھا اور وہ اپنے گھر کے افراد کو نماز پڑھاتی تھیں۔ (۳)

(۵) نابینا شخص کی امامت: نابینا کی امامت صحیح ہے۔ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابن اُمِّ مکتوم رضی اللہ عنہ کو دو بار مدینہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا (جب حضور ﷺ جہاد کے لیے تشریف لے گئے) تو حضرت ابن اُمّ مکتوم رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز پڑھایا کرتے تھے حالانکہ وہ ظاہری بینائی سے محروم تھے۔ (۴)

(۶) مفضول کی امامت: افضل شخص کی موجودگی میں کم درجہ کا شخص امام بن سکتا ہے۔ کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے

---

۱) صحیح البخاری' کتاب المغازی' باب قیل قوله تعالیٰ ﴿وَيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ﴾ (نحوه)۔

۲) صحیح بخاری کی حدیث کو ضعیف کہنا عجیب ہے۔ مصنف کی اس بات کی تائید بہت مشکل ہے۔

☆ مترجم عرض کرتا ہے کہ اس مسئلہ میں امام ابن حجرؒ نے فرمایا ہے: ''یہ کہنا انصاف کے منافی ہے کہ انہوں نے اپنے اجتہاد سے یہ کام کیا تھا' آنحضرت ﷺ کو اِس کا علم نہیں ہوا۔ کیونکہ یہ ایک چیز کے عدم کی شہادت ہے اور اس لیے بھی کہ وحی نازل ہونے کے دور میں ایک ناجائز کام کو قائم نہیں رکھا جا سکتا (یعنی اگر یہ درست نہ ہوتا تو حضور علیہ السلام کو وحی کے ذریعے بتا دیا جاتا کہ کچھ حضرات یہ کام کر رہے ہیں جو درست نہیں)۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے عزل کے جواز کی دلیل میں یہی فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں یہ عمل ہوتا تھا۔ اگر ممنوع ہوتا تو قرآن میں اس کی ممانعت نازل ہو جاتی''۔ (دیکھئے فتح الباری' ج ۸' ص ۲۳۔)

۳) سنن ابی داؤد' کتاب الصلاة' باب امامة النساء۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

٤) سنن ابی داؤد' کتاب الصلاة' باب امامة الاعمی۔ (اس روایت میں ''دوبار'' کا لفظ نہیں)۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

پیچھے نماز پڑھی ہے۔[1] اور حضور ﷺ ان دونوں حضرات سے' بلکہ کائنات کے تمام افراد سے بلاشبہ افضل تھے۔

(۷) تیمّم سے نماز پڑھنے والے کی امامت: تیمّم کرنے والا وضو سے نماز پڑھنے والوں کا امام بن سکتا ہے۔ ایک جنگی مہم کے دوران حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھائی اور آپ رضی اللہ عنہ نے تیمّم کیا ہوا تھا جبکہ دوسرے حضرات نے وضو کیا ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ ﷺ نے منع نہیں فرمایا۔[2]

(۸) مسافر کی امامت: مسافر مقیم لوگوں کو نماز پڑھا سکتا ہے۔ لیکن اس صورت میں امام تو قصر نماز پڑھے گا اور مقیم بعد میں اپنی نماز مکمل کریں گے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے اہل مکّہ کو نماز پڑھائی اور حضور ﷺ حالت سفر میں تھے' تو آپ ﷺ نے انہیں فرمایا:

((یَا اَھْلَ مَکَّۃَ اَتِمُّوْا صَلَاتَکُمْ فَاِنَّا قَوْمٌ سَفْرٌ))[3]

''مکہ والو! اپنی نماز مکمل کرلو۔ ہم تو مسافر لوگ ہیں''۔

البتہ اگر مسافر کسی مقیم کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو تو اسے پوری نماز پڑھنی چاہیے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مقیم امام کے پیچھے پوری نماز پڑھنے کا مسئلہ پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: ''یہ ابوالقاسم ﷺ کی سنت ہے''۔[4]

(۹) مقتدی کا امام کے ساتھ کھڑا ہونا: اگر امام کے ساتھ ایک ہی مقتدی ہو تو وہ امام کے دائیں طرف کھڑا ہو۔ اسی طرح اگر ایک عورت دوسری عورت کی اقتداء میں نماز پڑھے تو اس کے برابر کھڑی ہو۔ اور اگر امام کے ساتھ دو یا زیادہ افراد نماز پڑھیں تو وہ امام کے پیچھے کھڑے ہوں۔ اگر نماز باجماعت میں مرد اور عورتیں سبھی شریک ہوں تو مرد امام کے پیچھے کھڑے ہوں اور عورتیں مردوں کے پیچھے کھڑی ہوں۔ اگر امام کے ساتھ ایک مرد اور ایک

---

۱) صحیح البخاری۔

۲) سنن ابی داوٗد' کتاب الطھارۃ' باب اذا خاف الجنب البرد أیتیمم۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

۳) دستیاب کتب حدیث میں یہ روایت ہمیں مرفوع حدیث کے طور پر نہیں مل سکی۔ مؤطا امام مالک میں سالم بن عبداللہ نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اہل مکہ کو نماز پڑھائی جبکہ آپ رضی اللہ عنہ خود حالت سفر میں تھے تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے یہ بات فرمائی۔ موطا امام مالك' كتاب النداء للصلاة' باب صلاة المسافر اذا كان اماما او كان وراء امام۔

٤) مسند احمد ۔ یہ واقعہ دوسرے الفاظ سے صحیح مسلم میں بھی مروی ہے۔

عورت ہو تو مرد (خواہ بچہ ہی ہو) امام کے برابر کھڑا ہو اور عورت پیچھے کھڑی ہو۔
اس کی دلیل آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان ہے:

((خَيْرُ صُفُوْفِ الرِّجَالِ اَوَّلُهَا وَشَرُّهَا آخِرُهَا' وَخَيْرُ صُفُوْفِ النِّسَاءِ آخِرُهَا وَشَرُّهَا اَوَّلُهَا)) (۱)

''مَردوں کی اچھی صفیں پہلی صفیں ہیں اور ان کی بری صفیں (کم ثواب والی) پچھلی صفیں ہیں اور عورتوں کی اچھی صفیں پچھلی صفیں ہیں اور بری صفیں (کم ثواب والی) اگلی ہیں۔''

اس مسئلہ کی دلیل آنحضرت ﷺ کا عملِ مبارک بھی ہے۔ ایک غزوہ کے دوران حضور ﷺ نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ آئے اور حضور ﷺ کے بائیں طرف کھڑے ہو گئے۔ حضور ﷺ نے انہیں گھما کر دائیں طرف کھڑا کر دیا۔ پھر حضرت جبار بن صخر رضی اللہ عنہ آ کر بائیں طرف کھڑے ہو گئے تو آنحضرت ﷺ نے ان دونوں کے ہاتھ پکڑ کر اپنے پیچھے کھڑا کر دیا۔ (۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے انہیں اور ان کی والدہ کو نماز پڑھائی تو انہیں دائیں طرف اور خاتون کو پیچھے کھڑا کیا۔ (۳) ایک روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے اور یتیم نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے صف بنائی۔ اور معمر خاتون ☆ ہمارے پیچھے کھڑی ہوئیں۔ (۴)

(۱۰) امام کا سُترہ مقتدی کے لیے کافی ہے: جب امام اپنے سامنے سُترہ رکھ کر نماز پڑھا رہا ہو تو مقتدی کو دوسرے سُترہ کی ضرورت نہیں۔ جناب رسول اللہ ﷺ کے سامنے برچھی گاڑی جاتی تھی اور آپ ﷺ اس کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھتے تھے' لیکن آپ ﷺ نے

---

۱) صحیح مسلم' کتاب الصلاۃ' باب تسویۃ الصفوف واقامتھا وفضل الاول فالاول منھا۔

۲) صحیح مسلم۔

۳) صحیح مسلم۔

☆ ان کا نام ملیکہ (رضی اللہ عنہا) ہے جو خادمِ رسول حضرت انس رضی اللہ عنہ کی نانی یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت ام سلیمؓ کی والدہ ہیں۔ اور یتیم صحابی کا نام ضمیرہ (رضی اللہ عنہ) ہے جو رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے۔

٤) صحیح البخاری' کتاب الصلاۃ' باب الصلاۃ علی الحصیر۔

مقتدیوں کو الگ سے سُترہ رکھنے کا حکم نہیں دیا۔[1]

(۱۱) امام کی اتباع واجب ہے: مقتدی کے لیے ضروری ہے کہ حرکات وسکنات میں امام سے پیچھے رہے۔ امام سے پہلے کوئی حرکت کرنا حرام ہے اور کسی حرکت میں امام کے برابر رہنا مکروہ ہے۔ اگر مقتدی نے امام سے پہلے تکبیر تحریمہ کہہ لی تو واجب ہے کہ امام کے بعد دوبارہ تکبیر تحریمہ کہے، ورنہ اس کی نماز نہیں ہوگی۔ اسی طرح امام سے پہلے سلام پھیر دینے سے نماز باطل ہو جائے گی۔ اگر مقتدی امام سے پہلے رکوع یا سجدہ میں چلا گیا یا اس نے امام سے پہلے رکوع یا سجدہ سے سر اٹھا لیا تو اس پر پہلی حالت کی طرف پلٹ جانا واجب ہے تاکہ امام کے بعد وہ عمل ادا کرے۔ اس کی دلیل یہ فرمانِ نبویؐ ہے:

((اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ فَلَا تَخْتَلِفُوْا عَلَيْهِ ، فَاِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا، وَاِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا، وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا : اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ وَاِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوْا، وَاِذَا صَلّٰى قَاعِدًا فَصَلُّوْا قُعُوْدًا اَجْمَعُوْنَ)) [2]

''امام اس لیے مقرر کیا گیا ہے تاکہ اس کی پیروی کی جائے، لہٰذا اُس سے اختلاف نہ کرو۔ جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم اللہ اکبر کہو، جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو، جب وہ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہے تو تم اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ کہو، جب وہ سجدہ کرے تب تم سجدہ کرو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو سب بیٹھ کر نماز پڑھو۔''

نیز ارشاد فرمایا:

((اَمَا يَخْشٰى اَحَدُكُمْ اِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ قَبْلَ الْاِمَامِ اَنْ يُحَوِّلَ اللّٰهُ رَاْسَهٗ رَاْسَ حِمَارٍ، اَوْ يُحَوِّلَ صُوْرَتَهٗ صُوْرَةَ حِمَارٍ)) [3]

''کیا تمھیں اس بات کا ڈر نہیں کہ جب کوئی شخص اپنا سر امام سے پہلے اٹھا لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کہیں اس کا سر بدل کر گدھے کا سر نہ بنا دے یا اس کی صورت تبدیل کر کے

---

۱) صحيح البخاری۔ وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب سترة المصلی۔

۲) صحيح البخاری، كتاب الاذان، باب انما جعل الامام ليؤتم به (نحوه)۔ وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب النهی عن مبادرة الامام بالتكبير وغيره (نحوه) ۔

۳) صحيح البخاری، كتاب الاذان، باب اثم من رفع رأسه قبل الامام۔وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب تحريم سبق الامام بركوع او سجود ونحوهما۔

گدھے کی سی شکل نہ بنا دے؟''

(۱۲) کسی عذر کی وجہ سے امام کا مقتدی کو اپنی جگہ کھڑا کر دینا: اگر امام کو نماز کے دوران یاد آ جائے کہ وہ بے وضو ہے' یا نماز کے دوران اس کا وضو ٹوٹ جائے' یا اسے نکسیر پھوٹ پڑے یا کوئی اور ایسا عذر پیش آ جائے جس کی وجہ سے وہ نماز مکمل نہ کر سکے' تو مقتدیوں میں سے کسی شخص کو اپنی جگہ کھڑا کر دے جو انہیں باقی نماز پڑھائے اور امام پیچھے ہٹ جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب نماز میں حملہ آور نے زخمی کر دیا تو انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ کھڑا کر دیا۔[۱] اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نکسیر کی وجہ سے دوسرے آدمی کو امام بنا دیا تھا۔[۲]

(۱۳) امام نماز ہلکی پڑھائے: مستحب یہ ہے کہ امام نماز کو زیادہ طول نہ دے۔ البتہ پہلی رکعت میں قراءت لمبی کر سکتا ہے' جب اسے امید ہو کہ لیٹ ہو جانے والے افراد جماعت سے مل جائیں گے۔ جناب نبی ﷺ بھی پہلی رکعت کو طویل کر دیا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ لِلنَّاسِ فَلْیُخَفِّفْ ، فَاِنَّ مِنْھُمُ الضَّعِیْفَ وَالسَّقِیْمَ وَالْکَبِیْرَ ، وَاِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ لِنَفْسِہٖ فَلْیُطَوِّلْ مَا شَاءَ))[۳]

''جب تم میں سے کوئی شخص لوگوں کو نماز پڑھائے تو نماز ہلکی پڑھے' کیونکہ ان میں کمزور' بیمار اور بوڑھا آدمی بھی ہوتا ہے۔ اور جب تم میں سے کوئی اکیلا نماز پڑھے تو جتنی چاہے لمبی کر لے''۔

(۱۴) جسے لوگ پسند نہ کرتے ہوں وہ امام نہ بنے: اگر لوگ کسی شخص کو ناپسند کرتے ہوں تو اس کے لیے مکروہ ہے کہ انہیں نماز پڑھائے' بشرطیکہ ان کی ناپسندیدگی کسی دینی سبب

---

۱) صحیح البخاری' کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ' باب قصة البیعة والاتفاق علی عثمان بن عفان رضی الله عنه۔

۲) سعید بن منصور۔

۳) صحیح البخاری' کتاب الاذان' باب اذا صلی لنفسه فلیطول ما شاء۔وصحیح مسلم' کتاب الصلاة' باب امر الائمة بتخفیف الصلاة فی تمام (نحوه) ۔

سے ہو۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

((ثَلَاثَةٌ لَا تَرْتَفِعُ صَلَا تُهُمْ فَوْقَ رُءُ وْسِهِمْ شِبْرًا : رَجُلٌ اَمَّ قَوْمًا وَهُمْ لَـهُ كَارِهُوْنَ، وَامْرَاَةٌ بَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَلَيْهَا سَاخِطٌ وَاَخَوَانِ مُتَصَارِمَانِ)) (۱)

''تین افراد کی نماز اُن کے سر سے ایک بالشت بھی بلند نہیں ہوتی: وہ مَرد جو کچھ لوگوں کو نماز پڑھائے اور وہ اس کو ناپسند کرتے ہوں، اور وہ عورت جس پر اُس کا خاوند رات بھر ناراض رہا، اور دو بھائی جو آپس میں قطع تعلق کیے ہوئے ہوں''۔

(۱۵) امام سے قریب کون کھڑا ہو؟ سلام پھیر کر مقتدیوں کی طرف مُنہ کرنا: مستحب ہے کہ امام سے وہ افراد زیادہ قریب کھڑے ہوں جو علم و فضل کے لحاظ سے ممتاز ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((لِيَلِنِيْ مِنْكُمْ اُولُو الْاَحْلَامِ وَالنُّهٰى)) (۲)

''مجھ سے قریب وہ رہیں جو تم میں عقل منداور سمجھ دار ہیں''۔

امام کے لیے یہ بھی مستحب ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد اپنی جگہ سے دائیں طرف گھوم کر نمازیوں کی طرف مُنہ کر کے بیٹھے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ ایسے کیا کرتے تھے۔ حضرت قبیصہ بن ہُلب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا: ''نبی ﷺ ہمیں نماز پڑھاتے تھے تو دونوں جانب سے گھوم جایا کرتے تھے، (کبھی) دائیں جانب سے اور (کبھی) بائیں جانب سے''۔ (۳)

(۱۶) صفوں کی برابری: امام اور مقتدیوں کے لیے مسنون ہے کہ صفیں سیدھی کرنے کا اہتمام کریں اور انہیں بالکل سیدھا کریں۔ کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ مقتدیوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کرتے تھے:

((تَرَاصُّوْا وَاعْتَدِلُوْا)) (٤)

---

۱) سنن ابن ماجه، كتاب اقامة الصلاة، باب من ام قوما وهم له كارهون۔ اس کی سند حسن ہے۔

۲) صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف واقامتها وفضل الاول فالاول منها۔

۳) سنن ابی داؤد، كتاب الصلاة، باب كيف الانصراف من الصلاة (نحوه)۔ وجامع الترمذی، كتاب ابواب الصلاة، باب ما جاء فی الانصراف عن يمينه وعن شماله۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

٤) مسند احمد، كتاب باقی مسند المكثرين، باب باقی المسند السابق۔

''ایک دوسرے سے مل جاؤ اور برابر ہو جاؤ''۔

اور فرماتے:

((سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ فَاِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوْفِ مِنْ تَمَامِ الصَّلَاةِ))(۱)

''صفیں برابر کرو، صفیں برابر کرنا نماز کی تکمیل میں شامل ہے''۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَتُسَوُّنَّ صُفُوْفَكُمْ اَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ وُجُوْهِكُمْ))(۲)

''تمہیں ضرور صفیں برابر کرنا ہوں گی، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اختلاف ڈال دے گا''۔

اور فرمایا:

((مَا مِنْ خَطْوَةٍ اَعْظَمَ اَجْرًا مِنْ خَطْوَةٍ مَشَاهَا رَجُلٌ اِلٰى فُرْجَةٍ فِي الصَّفِّ فَسَدَّهَا)) (۳)

''سب سے بڑے ثواب والا قدم وہ قدم ہے جسے طے کر کے کوئی شخص صف میں موجود خالی جگہ پُر کرتا ہے''۔

ج) مسبوق

جو شخص نماز باجماعت میں شروع سے شامل نہ ہو سکے، بلکہ بعد میں آ کر شامل ہو اُسے مسبوق کہتے ہیں۔ اس سے متعلق مسائل درج ذیل ہیں:

(۱) ہر حال میں امام کے ساتھ شامل ہونا: جب نمازی مسجد میں آئے اور نماز کھڑی ہو چکی ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ فوراً امام کے ساتھ شامل ہو جائے چاہے امام کسی بھی حالت میں ہو، رکوع میں ہو یا سجدے میں، جلسہ میں ہو یا قیام میں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((اِذَا اَتَى اَحَدُكُمُ الصَّلَاةَ وَالْاِمَامُ عَلٰى حَالٍ فَلْيَصْنَعْ كَمَا يَصْنَعُ الْاِمَامُ)) (٤)

---

۱) صحيح البخاری۔ وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف واقامتها وفضل الاول فالاول منها۔

۲) جامع الترمذی، كتاب الصلاة، باب ما جاء فی اقامة الصفوف۔ **امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔**

۳) مسند بزار۔ **یہ حدیث حسن ہے۔**

٤) جامع الترمذی، كتاب الجمعة عن رسول الله ﷺ، باب ما ذكر فی الرجل يدرك الامام وهو ساجد كيف يصنع۔

''جب کوئی نماز کے لیے آئے اور امام کسی حالت میں ہو تو وہ بھی اسی طرح کرے جس طرح امام کرتا ہے۔''

اس حدیث کی سند اگرچہ ضعیف ہے لیکن اکثر علماء کا عمل اسی پر ہے' کیونکہ دوسری روایات سے اس کی تائید ہو جاتی ہے۔

(۲) رکوع میں ملنے سے رکعت شمار ہو جاتی ہے: مقتدی جب امام سے رکوع میں آ کر ملے جب کہ امام نے رکوع سے ابھی سر نہ اٹھایا ہو تو مقتدی کی وہ رکعت ہو جاتی ہے' کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

((اِذَا جِئْتُمْ اِلَى الصَّلَاةِ وَنَحْنُ سُجُوْدٌ فَاسْجُدُوْا وَلَا تَعُدُّوْهَا شَيْئًا ' وَمَنْ اَدْرَكَ الرَّكْعَةَ فَقَدْ اَدْرَكَ الصَّلَاةَ))

''جب تم نماز کی طرف آؤ اور ہم سجدے میں ہوں تو سجدہ کرو اور اسے کچھ بھی شمار نہ کرو۔ اور جس نے رکعت (۲) کو پالیا اس نے نماز کو پالیا۔''

(۳) باقی ماندہ نماز کو امام کے سلام پھیرنے کے بعد پورا کرنا: جب امام سلام پھیرے تو مقتدی کو چاہیے کہ جو رکعتیں اس سے چھوٹ گئی ہیں ان کی ادائیگی کے لیے اٹھ کھڑا ہو۔ اگر چاہے تو آخری رکعتوں کو فوت شدہ سمجھ لے (یعنی امام کے ساتھ پڑھی ہوئی رکعتوں کو اپنی ابتدائی رکعتیں سمجھ لے)۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((فَمَا اَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَاَتِمُّوْا))(۳)

''جو پاؤ وہ پڑھ لو اور جو تم سے چھوٹ جائے وہ پوری کر لو۔''

مثلاً اگر مقتدی کو امام کے ساتھ مغرب کی ایک رکعت ملی ہو تو اٹھ کر دو رکعتیں پڑھے۔ ان دو میں سے پہلی رکعت میں سورۃ الفاتحہ کے ساتھ دوسری سورت بھی پڑھے اور دوسری میں صرف سورۃ الفاتحہ پڑھے۔ پھر تشہد پڑھ کر سلام پھیر دے۔ اگر چاہے تو ابتدائی رکعتوں کو فوت شدہ سمجھ لے' یعنی اگر مغرب کی ایک رکعت چھوٹ گئی ہے تو اٹھ کر وہ رکعت سورۃ الفاتحہ اور دوسری

---

۱) سنن ابی داؤد' کتاب الصلاۃ' باب فی الرجل یدرك الامام ساجدا کیف یصنع۔

۲) حدیث میں الرکعۃ کا لفظ ہے۔ اگر اس کا معنی رکوع کیا جائے پھر تو رکوع کی رکعت کی دلیل بن سکتی ہے' ورنہ اس کا یہ مطلب ہوگا کہ جسے جماعت کے ساتھ ایک رکعت بھی مل گئی اسے نماز باجماعت کا ثواب مل گیا۔

۳) صحیح البخاری' کتاب الاذان' باب لا یسعی الی الصلاۃ ولیأت بالسکینۃ والوقار۔

سورت کے ساتھ پڑھے' پھر تشہد پڑھ کر سلام پھیرے' کیونکہ دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:

((وَمَا فَاتَكُمْ فَاقْضُوْا))[1]

''جو تم سے چھوٹ جائے اس کی قضا دو۔''

بعض علمائے محققین نے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ جو رکعت امام کے ساتھ ملی ہے وہ پہلی رکعت شمار کی جائے۔

(۴) امام کے پیچھے مقتدی کی قراءت : جہری نماز میں مقتدی پر امام کے پیچھے قراءت کرنا واجب نہیں' اس کے لیے سنت یہی ہے کہ خاموشی سے امام کی قراءت سنے۔ امام کی قراءت اس کے لیے کافی ہے۔ کیونکہ ارشادِ نبویؐ ہے:

((مَنْ كَانَ لَهُ اِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْاِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ))[2]

''جس شخص کا امام ہو تو امام کی قراءت اس کی قراءت ہے۔''

ایک بار آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((مَا لِيْ اُنَازَعُ الْقُرْآنَ))

''کیا وجہ ہے کہ مجھ سے قرآن پڑھنے میں کشمکش ہوتی ہے؟''

تو لوگوں نے جہری نماز میں قراءت کرنا چھوڑ دی۔ [3]

نیز فرمایا:

---

۱) سنن النسائی' کتاب الامامة' باب السعی الی الصلاة۔

۲) مسند احمد۔ وسنن ابن ماجه' کتاب اقامة الصلاة' باب اذا قرء الامام فأنصتوا۔ **زوائد میں ہے: ''اس کی سند میں جابر جعفی ہے' وہ کذاب ہے''۔**

۳) جامع الترمذی' کتاب ابواب الصلاة' باب ما جاء فی ترك القراء ة خلف الامام اذا جهر الامام بالقراء ة۔ **امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔ امام ترمذی نے اس باب سے پہلے ایک اور باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے:** ''باب ما جاء فی القراء ة خلف الامام''۔ **اس باب میں امام ترمذی نے حضرت عبادہ بن صامت ؓ کی حدیث روایت کی ہے' انہوں نے فرمایا: جناب رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی۔ آپؐ پر قراءت دشوار ہو گئی۔ جب حضور ﷺ فارغ ہوئے تو فرمایا: ''میں سمجھتا ہوں کہ تم اپنے امام کے پیچھے قراءت کرتے ہو''۔ ہم نے عرض کیا ''جی ہاں یارسول اللہ''۔ فرمایا: ''قراءت نہ کرو سوائے اُمّ القرآن کے' کیونکہ جو شخص یہ (سورۃ الفاتحہ) نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی''۔ اس حدیث کو بیان کر کے امام ترمذی ؒ فرماتے ہیں: ''عبادہ ؓ کی حدیث حسن ہے''۔**

((اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا ' وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا))[1]

''امام اس لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے' جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم اللہ اکبر کہو اور جب وہ پڑھے تو تم خاموش رہو۔''

البتہ سری نماز میں قراءت مسنون ہے۔ اسی طرح امام کے سکتات میں سورۃ الفاتحہ پڑھنا مستحب ہے۔

(۵) جب فرض نماز کی اقامت ہو جائے تو نفل شروع کرنا جائز نہیں: جب فرض نماز کی جماعت کھڑی ہو جائے تو نفل نماز شروع کرنا جائز نہیں۔ اور اگر نمازی نفل نماز پڑھ رہا ہو اور اقامت ہو جائے تو اگر رکوع سے سر نہیں اٹھایا تو نماز توڑ دے ورنہ رکعت پوری کر لے' لیکن ہلکی پڑھے۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((اِذَا اُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ اِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ))[2]

''جب نماز قائم کی جائے تو کوئی نماز نہیں سوائے فرض نماز کے۔''

(۶) اگر عصر کی اقامت ہو جائے اور نمازی نے ظہر نہ پڑھی ہو: اس مسئلہ میں علماء کرام کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے کہ اگر ایک شخص نے ابھی ظہر کی نماز نہ پڑھی ہو اور عصر کی جماعت کھڑی ہو جائے تو وہ کیا کرے؟ بعض علماء کے نزدیک اسے ظہر کی نیت سے جماعت کے ساتھ شامل ہو جانا چاہیے۔ اس سے فارغ ہو کر عصر کی نماز پڑھ لے۔ ایک قول یہ ہے کہ عصر کی نیت کر کے جماعت میں شامل ہو۔ فارغ ہو کر ظہر کی نماز پڑھے اور پھر دوبارہ عصر پڑھے تاکہ نمازوں میں ترتیب قائم رہے۔ اگر یہ حدیث نہ ہوتی کہ ''امام سے اختلاف نہ کرو'' تو ہمارے خیال میں ظہر کی نیت سے جماعت میں شامل ہونا افضل ہوتا۔ لہٰذا احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ امام کے ساتھ عصر کی نیت سے شامل ہو اور بعد میں ظہر اور عصر ادا کرے۔ اس صورت میں امام کے ساتھ پڑھی ہوئی اس کی نماز نفل بن جائے گی۔

(۷) صف کے پیچھے اکیلا کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھے: مقتدی کے لیے صف کے پیچھے اکیلا

---

۱) صحيح مسلم' كتاب الصلاة' باب ائتمام الماموم بالامام۔ **اس روایت میں یہ الفاظ نہیں ''جب وہ پڑھے تم خاموش رہو''۔ یہ الفاظ ایک اور باب میں ہیں۔**''باب حجة من قال لا يجهر بالبسملة''.

۲) صحيح مسلم' كتاب صلاة المسافرين وقصرها' باب كراهة الشروع فى النافلة بعد شروع المؤذن۔

کھڑا ہونا جائز نہیں۔ اگر وہ جان بوجھ کر اکیلا کھڑا ہوگا تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔ ایک شخص نے صف کے پیچھے اکیلا کھڑے ہو کر نماز پڑھی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے اسے فرمایا:

((اِسْتَقْبِلْ صَلَاتَکَ فَلَا صَلَاةَ لِرَجُلٍ فَرْدٍ خَلْفَ الصَّفِّ))(۱)

''نئے سرے سے نماز پڑھو، صف کے پیچھے اکیلے آدمی کی نماز نہیں۔''

اگر امام کے دائیں طرف کھڑا ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔

(۸) پہلی صف افضل ہے: نماز باجماعت میں پہلی صف میں اور امام کے دائیں طرف کھڑے ہونے کی کوشش کرنا مستحب ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِکَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی الصَّفِّ الْاَوَّلِ)) قَالُوْا: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلَی الثَّانِیْ؟ قَالَ : ((اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِکَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی الصَّفِّ الْاَوَّلِ)) قَالُوْا: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلَی الثَّانِیْ؟ قَالَ : ((وَعَلَی الثَّانِیْ))(۲)

''بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے پہلی صف پر رحمت بھیجتے ہیں''۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دوسری صف کے متعلق دریافت فرمایا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتے پہلی صف پر رحمت بھیجتے ہیں''۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دوبارہ دوسری صف کے متعلق دریافت فرمایا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''اور دوسری صف پر بھی۔''

نیز ارشاد ہے:

((خَیْرُ صُفُوْفِ الرِّجَالِ اَوَّلُهَا وَشَرُّهَا آخِرُهَا، وَخَیْرُ صُفُوْفِ النِّسَاءِ آخِرُهَا وَشَرُّهَا اَوَّلُهَا))(۳)

''مردوں کی بہترین صفیں اگلی اور نکمی صفیں پچھلی ہیں۔ اور عورتوں کی بہترین صفیں پچھلی اور نکمی صفیں اگلی ہیں۔''

---

۱) سنن ابن ماجه، کتاب اقامة الصلاة والسنة فیها، باب صلاة الرجل خلف الصف وحده۔ ومسند احمد، ج ٤، ص ٢٣۔ اس کی سند حسن ہے۔

۲) مسند احمد، ج ٤، ص ٢٩٦ (اس میں دوسری صف کا ذکر نہیں)۔ وطبرانی، معجم کبیر، ح ٧٧٢٧ (صرف پہلا فقرہ)۔ اس کی سند جید ہے۔ سنن ابی داوٗد، کتاب الصلاة، ابواب الصفوف، باب تسویة الصفوف (صرف پہلا فقرہ)۔

۳) صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب تسویة الصفوف واقامتها وفضل الاول فالاول منها۔

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى مَيَامِنِ الصُّفُوْفِ)) (۱)

''بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے صفوں کی دائیں سمت پر رحمتیں بھیجتے ہیں۔''

اور فرمایا:

((تَقَدَّمُوْا فَاْتَمُّوْا بِیْ وَلْيَاْتَمَّ بِكُمْ مَنْ بَعْدَكُمْ ، لَا يَزَالُ قَوْمٌ يَتَاَخَّرُوْنَ حَتّٰى يُؤَخِّرَهُمُ اللّٰهُ)) (۲)

''آگے بڑھو اور میری اقتداء کرو اور جو تمہارے بعد ہیں وہ تمہاری اقتداء کریں۔ اور کچھ لوگ (سستی کی وجہ سے) ہمیشہ پیچھے رہ جاتے ہیں حتیٰ کہ (اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قیامت کو) اللہ تعالیٰ ان کو (دوسروں سے) پیچھے کر دے گا۔''

---

۱) سنن ابی داوٗد، کتاب الصلاۃ، باب من یستحب ان یلی الامام فی الصف و کراھیۃ التاخر۔

۲) صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب تسویۃ الصفوف واقامتھا وفضل الاول فالاول منھا۔

تذکیر و موعظت

دُکھ اور تکلیف کا اُمید افزا پہلو

تحریر: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

اگر اسلام کو امید کا دین کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا' کیونکہ یہ ایسا ضابطۂ حیات ہے جو اپنے ماننے والوں کو کسی بھی حال میں مایوس نہیں کرتا۔ غربت اور بدحالی میں یہ فراخی اور خوش حالی کی امید دلاتا ہے۔ بیماری میں صحت کی امید کے ساتھ ساتھ گناہوں کے مٹنے کی نوید سناتا ہے۔ گناہگاروں کو توبہ کا راستہ دکھاتا ہے۔ غرض اسلام وہ طرزِ حیات ہے جو کسی کو ایسی صورتِ حال سے دوچار نہیں کرتا جہاں آگے نکلنے کا کوئی راستہ نہ رہ گیا ہو۔

اسلام میں خودکشی حرام ہے۔ اس لئے کہ خودکشی کرنے والا حالات سے اس قدر دل برداشتہ ہو جاتا ہے کہ وہ موت کو زندگی پر ترجیح دیتا ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو ہمیشہ صورت حال کا روشن پہلو دکھاتا ہے اور مایوسی دور کرتا ہے۔

انسانی زندگی میں دکھ سکھ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ آدمی پر بیماری بھی آتی ہے' جو زندگی میں تلخی اور تکلیف کا باعث ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں اسلام حوصلہ دیتا ہے کہ بیماری کی وجہ سے انسان کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مردِ مؤمن کو جو بھی دکھ' بیماری' پریشانی' رنج وغم اور اذیت پہنچتی ہے' یہاں تک کہ اُسے کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان چیزوں کے ذریعے اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے''۔ (بخاری و مسلم) پس بیماری بھی ایک طرح سے رحمت ہے' کیونکہ کوئی فردِ بشر ایسا نہیں جس سے کبھی گناہ کا صدور نہ ہوا ہو۔ یوں ہر شخص کو اللہ کی رحمت کی ضرورت ہے جو اُس کے گناہوں کو مٹا دے۔ چنانچہ بیماری اور مصیبت گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کسی مردِ مؤمن کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے' مرض سے یا اس کے علاوہ' اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اس کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتا ہے جس طرح خزاں رسیدہ درخت اپنے پتے جھاڑ دیتا ہے''۔
(بخاری و مسلم)

ذرا غور کیجئے! جب کوئی بندہ بیمار ہو اور اس کے سامنے اسلام کی یہ تعلیم ہو کہ بیماری کی تکلیف اُس کے لئے گناہوں کے مٹانے کا وسیلہ بن جائے گی تو جہاں اُس کے لئے تکلیف قابل برداشت ہو جائے گی وہاں اس کو ایک گونہ سکون بھی ہوگا کہ اس پر سے گناہوں کا بوجھ اتر رہا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کے بعض ایمان والے بندوں یا ایمان والی بندیوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصائب اور حوادث آتے رہتے ہیں' کبھی اس کی جان پر' کبھی اس کے مال پر' کبھی اس کی اولاد پر (اور اس کے نتیجہ میں اس کے گناہ جھڑتے رہتے ہیں) یہاں تک کہ مرنے کے بعد وہ اللہ کے حضور اس حال میں پہنچتا ہے کہ اس کا ایک گناہ بھی باقی نہیں ہوتا''۔ (جامع ترمذی) بعض لوگ دنیا میں حد سے زیادہ دکھ' تکلیف اور بیماری کا شکار بنتے ہیں۔ ان لوگوں کو اجر اُسی مقدار میں ملے گا جس مقدار میں انہوں نے مصیبت اٹھائی۔

بیمار کی عیادت بھی بہت بڑا کارِ ثواب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلموں کی عیادت کے لئے بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بھوکوں کو کھانا کھلاؤ' بیماروں کی عیادت کرو اور جو لوگ ناحق قید کر دیئے گئے ہوں ان کی رہائی کی کوشش کرو''۔ (بخاری)

کبھی کبھی کوئی مصیبت یا پریشانی انسان کی اپنی غلطی کی وجہ سے بھی ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں انسان عملی طور پر اپنی غلطی کی اصلاح کرے۔ ہر مصیبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ ﴿مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ ہر مصیبت کو صرف اللہ کے غضب اور قہر کا ظہور ہی نہیں سمجھنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے لئے ان میں خیر اور رحمت کا بڑا سامان ہے۔ ان کے ذریعے گناہوں کی صفائی اور تطہیر ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ کی رحمتیں برستی ہیں' درجات بلند ہوتے ہیں اور اعمال میں کوتاہیوں کی تلافی ہوتی ہے۔

دنیا میں آنے والی تکالیف اور بیماریاں اجر و ثواب کا باعث بنتی ہیں۔ بس شرط یہ ہے کہ آدمی شکوہ شکایت زبان پر نہ لائے' صبر کا مظاہرہ کرے اور اجر کی امید رکھے۔ قیامت کے روز بعض لوگ ایسے بھی ہوں گے کہ ان کے اعمالِ حسنہ بخشش کے لئے کافی نہ ہوں گے' مگر دنیا میں برداشت کی جانے والی تکالیف کا اجر اعمالِ حسنہ کی کمی کو پورا کر دے گا اور حساب کے وقت اُن پر یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ دنیا کی زندگی میں آنے والی مصیبتیں اور بیماریاں اگر

نہ ہوتیں تو نجات نہ ہوسکتی۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
''قیامت کے دن جب ان بندوں کو جو دنیا میں مبتلائے مصائب رہے' ان مصائب کے عوض اجر وثواب دیا جائے گا تو وہ لوگ جو دنیا میں ہمیشہ آرام وراحت سے رہے حسرت کریں گے کہ کاش دنیا میں ہماری کھالیں قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتیں''۔ (ترمذی)

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اندازہ کیجئے کہ ایک آدمی جو صحت کے ایام میں ذکر اذکار اور نیک اعمال کرتا ہے جب کبھی وہ بیمار ہوکر اپنے اعمالِ حسنہ ادا کرنے کے قابل نہ رہے تو اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے اس کو بیماری کے دنوں میں وہی اجر دیتا ہے جو اُسے اعمال حسنہ کرنے پر ملتا تھا۔ یہ اس لئے کہ اگر وہ بندہ بیمار نہ ہوتا تو اپنے اعمال حسنہ کے معمولات پر ضرور عمل پیرا رہتا۔

الغرض دنیاوی زندگی میں بندۂ مؤمن کو پیش آنے والے صدمات' تکالیف یا بیماریاں اس کے لئے درجات کی بلندی' گناہوں کی معافی اور نجات کا ذریعہ بن جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنے کسی بندے کو بغیر کسی عمل کے بھی بخشش سے نواز سکتا ہے مگر بتقاضائے حکمت وہ بندے کی تکالیف اور بیماریوں کو اس کے لئے وسیلۂ نجات بنا دیتا ہے یا پھر کسی دوسرے بندے کی اس کے حق میں کی جانے والی دعا کے طفیل اس کی بخشش کر دیتا ہے۔ بہرحال صبر اور ثبات کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ چنانچہ اسی سے نیکی اور صبر کی توفیق طلب کرنی چاہئے۔

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

دُکھ اور تکلیف کا اُمید افزا پہلو

تحریر: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

اگر اسلام کو امید کا دین کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا' کیونکہ یہ ایسا ضابطۂ حیات ہے جو اپنے ماننے والوں کو کسی بھی حال میں مایوس نہیں کرتا۔ غربت اور بدحالی میں یہ فراخی اور خوش حالی کی امید دلاتا ہے۔ بیماری میں صحت کی امید کے ساتھ ساتھ گناہوں کے مٹنے کی نوید سناتا

ہے۔ گناہگاروں کو توبہ کا راستہ دکھاتا ہے۔ غرض اسلام وہ طرزِ حیات ہے جو کسی کو ایسی صورتِ حال سے دوچار نہیں کرتا جہاں آگے نکلنے کا کوئی راستہ نہ رہ گیا ہو۔

اسلام میں خودکشی حرام ہے۔ اس لئے کہ خودکشی کرنے والا حالات سے اس قدر دل برداشتہ ہو جاتا ہے کہ وہ موت کو زندگی پر ترجیح دیتا ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو ہمیشہ صورت حال کا روشن پہلو دکھاتا ہے اور مایوسی دور کرتا ہے۔

انسانی زندگی میں دکھ سکھ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ آدمی پر بیماری بھی آتی ہے' جو زندگی میں تلخی اور تکلیف کا باعث ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں اسلام حوصلہ دیتا ہے کہ بیماری کی وجہ سے انسان کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مردِ مؤمن کو جو بھی دکھ' بیماری' پریشانی' رنج وغم اور اذیت پہنچتی ہے' یہاں تک کہ اُسے کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان چیزوں کے ذریعے اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے''۔ (بخاری ومسلم) پس بیماری بھی ایک طرح سے رحمت ہے' کیونکہ کوئی فردِ بشر ایسا نہیں جس سے کبھی گناہ کا صدور نہ ہوا ہو۔ یوں ہر شخص کو اللہ کی رحمت کی ضرورت ہے جو اُس کے گناہوں کو مٹا دے۔ چنانچہ بیماری اور مصیبت گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کسی مردِ مؤمن کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے' مرض سے یا اس کے علاوہ' اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اس کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتا ہے جس طرح خزاں رسیدہ درخت اپنے پتے جھاڑ دیتا ہے''۔
(بخاری ومسلم)

ذرا غور کیجئے! جب کوئی بندہ بیمار ہو اور اس کے سامنے اسلام کی یہ تعلیم ہو کہ بیماری کی تکلیف اُس کے لئے گناہوں کے مٹانے کا وسیلہ بن جائے گی تو جہاں اُس کے لئے تکلیف قابل برداشت ہو جائے گی وہاں اس کو ایک گونہ سکون بھی ہوگا کہ اس پر سے گناہوں کا بوجھ اتر رہا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کے بعض ایمان والے بندوں یا ایمان والی بندیوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصائب اور حوادث آتے رہتے ہیں' کبھی اس کی جان پر' کبھی اس کے مال پر' کبھی اس کی اولاد پر (اور اس کے نتیجہ میں اس کے گناہ جھڑتے رہتے ہیں) یہاں تک کہ مرنے کے بعد وہ اللہ کے حضور اس حال میں پہنچتا ہے کہ اس کا ایک گناہ بھی باقی نہیں ہوتا''۔ (جامع ترمذی) بعض لوگ دنیا میں حد سے

زیادہ دکھ' تکلیف اور بیماری کا شکار بنتے ہیں۔ان لوگوں کو اجر اُسی مقدار میں ملے گا جس مقدار میں انہوں نے مصیبت اٹھائی۔

بیمار کی عیادت بھی بہت بڑا کارِ ثواب ہے۔رسول اللہ ﷺ خود نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلموں کی عیادت کے لئے بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ابو موسیٰ اشعری ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''بھوکوں کو کھانا کھلاؤ' بیماروں کی عیادت کرو اور جو لوگ ناحق قید کر دیئے گئے ہوں ان کی رہائی کی کوشش کرو''۔(بخاری)

کبھی کبھی کوئی مصیبت یا پریشانی انسان کی اپنی غلطی کی وجہ سے بھی ہوتی ہے۔ایسی صورت میں انسان عملی طور پر اپنی غلطی کی اصلاح کرے۔ہر مصیبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔﴿مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ مصیبت کو صرف اللہ کے غضب اور قہر کا ظہور ہی نہیں سمجھنا چاہئے۔اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے لئے ان میں خیر اور رحمت کا بڑا سامان ہے۔ان کے ذریعے گناہوں کی صفائی اور تطہیر ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ کی رحمتیں برستی ہیں' درجات بلند ہوتے ہیں اور اعمال میں کوتاہیوں کی تلافی ہوتی ہے۔

دنیا میں آنے والی تکالیف اور بیماریاں اجر و ثواب کا باعث بنتی ہیں۔بس شرط یہ ہے کہ آدمی شکوہ شکایت زبان پر نہ لائے' صبر کا مظاہرہ کرے اور اجر کی امید رکھے۔قیامت کے روز بعض لوگ ایسے بھی ہوں گے کہ ان کے اعمالِ حسنہ بخشش کے لئے کافی نہ ہوں گے' مگر دنیا میں برداشت کی جانے والی تکالیف کا اجر اعمالِ حسنہ کی کمی کو پورا کر دے گا اور حساب کے وقت اُن پر یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ دنیا کی زندگی میں آنے والی مصیبتیں اور بیماریاں اگر نہ ہوتیں تو نجات نہ ہو سکتی۔حضرت جابر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن جب ان بندوں کو جو دنیا میں مبتلائے مصائب رہے' ان مصائب کے عوض اجر و ثواب دیا جائے گا تو وہ لوگ جو دنیا میں ہمیشہ آرام و راحت سے رہے حسرت کریں گے کہ کاش دنیا میں ہماری کھالیں قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتیں''۔(ترمذی)

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اندازہ کیجئے کہ ایک آدمی جو صحت کے ایام میں ذکر اذکار اور نیک اعمال کرتا ہے جب کبھی وہ بیمار ہو کر اپنے اعمالِ حسنہ ادا کرنے کے قابل نہ رہے تو اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے اس کو بیماری کے دنوں میں وہی اجر دیتا ہے جو اُسے اعمال حسنہ کرنے پر ملتا تھا۔یہ اس لئے کہ اگر وہ بندہ بیمار نہ ہوتا تو اپنے اعمال حسنہ کے معمولات پر ضرور عمل پیرا رہتا۔

الغرض دنیاوی زندگی میں بندۂ مؤمن کو پیش آنے والے صدمات' تکالیف یا بیماریاں اس کے لئے درجات کی بلندی' گناہوں کی معافی اور نجات کا ذریعہ بن جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنے کسی بندے کو بغیر کسی عمل کے بھی بخشش سے نواز سکتا ہے مگر بتقاضائے حکمت وہ بندے کی تکالیف اور بیماریوں کو اس کے لئے وسیلۂ نجات بنا دیتا ہے یا پھر کسی دوسرے بندے کی اس کے حق میں کی جانے والی دعا کے طفیل اس کی بخشش کر دیتا ہے۔ بہرحال صبر اور ثبات کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ چنانچہ اسی سے نیکی اور صبر کی توفیق طلب کرنی چاہئے۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلاَّ بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

دُکھ اور تکلیف کا اُمید افزا پہلو

تحریر: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

اگر اسلام کو امید کا دین کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا' کیونکہ یہ ایسا ضابطۂ حیات ہے جو اپنے ماننے والوں کو کسی بھی حال میں مایوس نہیں کرتا۔ غربت اور بدحالی میں یہ فراخی اور خوش حالی کی امید دلاتا ہے۔ بیماری میں صحت کی امید کے ساتھ ساتھ گناہوں کے مٹنے کی نوید سناتا ہے۔ گناہگاروں کو توبہ کا راستہ دکھاتا ہے۔ غرض اسلام وہ طرزِ حیات ہے جو کسی کو ایسی صورتِ حال سے دوچار نہیں کرتا جہاں آگے نکلنے کا کوئی راستہ نہ رہ گیا ہو۔

اسلام میں خودکشی حرام ہے۔ اس لئے کہ خودکشی کرنے والا حالات سے اس قدر دل برداشتہ ہو جاتا ہے کہ وہ موت کو زندگی پر ترجیح دیتا ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو ہمیشہ صورت حال کا روشن پہلو دکھاتا ہے اور مایوسی دور کرتا ہے۔

انسانی زندگی میں دکھ سکھ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ آدمی پر بیماری بھی آتی ہے' جو زندگی میں تلخی اور تکلیف کا باعث ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں اسلام حوصلہ دیتا ہے کہ بیماری کی وجہ سے انسان کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مردِ مؤمن کو جو بھی دکھ' بیماری' پریشانی' رنج وغم اور اذیت پہنچتی ہے'

یہاں تک کہ اُسے کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان چیزوں کے ذریعے اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے''۔ (بخاری و مسلم) پس بیماری بھی ایک طرح سے رحمت ہے' کیونکہ کوئی فردِ بشر ایسا نہیں جس سے کبھی گناہ کا صدور نہ ہوا ہو۔ یوں ہر شخص کو اللہ کی رحمت کی ضرورت ہے جو اُس کے گناہوں کو مٹا دے۔ چنانچہ بیماری اور مصیبت گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کسی مردِ مؤمن کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے' مرض سے یا اس کے علاوہ' اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اس کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتا ہے جس طرح خزاں رسیدہ درخت اپنے پتے جھاڑ دیتا ہے''۔
(بخاری و مسلم)

ذرا غور کیجئے! جب کوئی بندہ بیمار ہو اور اس کے سامنے اسلام کی یہ تعلیم ہو کہ بیماری کی تکلیف اُس کے لئے گناہوں کے مٹانے کا وسیلہ بن جائے گی تو جہاں اُس کے لئے تکلیف قابل برداشت ہو جائے گی وہاں اس کو ایک گونہ سکون بھی ہوگا کہ اس پر سے گناہوں کا بوجھ اتر رہا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے بعض ایمان والے بندوں یا ایمان والی بندیوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصائب اور حوادث آتے رہتے ہیں' کبھی اس کی جان پر' کبھی اس کے مال پر' کبھی اس کی اولاد پر (اور اس کے نتیجہ میں اس کے گناہ جھڑتے رہتے ہیں) یہاں تک کہ مرنے کے بعد وہ اللہ کے حضور اس حال میں پہنچتا ہے کہ اس کا ایک گناہ بھی باقی نہیں ہوتا''۔ (جامع ترمذی) بعض لوگ دنیا میں حد سے زیادہ دکھ' تکلیف اور بیماری کا شکار بنتے ہیں۔ ان لوگوں کو اجر اُسی مقدار میں ملے گا جس مقدار میں انہوں نے مصیبت اٹھائی۔

بیمار کی عیادت بھی بہت بڑا کارِ ثواب ہے۔ رسول اللہ ﷺ خود نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلموں کی عیادت کے لئے بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بھوکوں کو کھانا کھلاؤ' بیماروں کی عیادت کرو اور جو لوگ ناحق قید کر دیئے گئے ہوں ان کی رہائی کی کوشش کرو''۔ (بخاری)

کبھی کبھی کوئی مصیبت یا پریشانی انسان کی اپنی غلطی کی وجہ سے بھی ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں انسان عملی طور پر اپنی غلطی کی اصلاح کرے۔ ہر مصیبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ ﴿مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ ہر مصیبت کو صرف اللہ کے غضب اور

قہر کا ظہور ہی نہیں سمجھنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے لئے ان میں خیر اور رحمت کا بڑا سامان ہے۔ ان کے ذریعے گناہوں کی صفائی اور تطہیر ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ کی رحمتیں برستی ہیں' درجات بلند ہوتے ہیں اور اعمال میں کوتاہیوں کی تلافی ہوتی ہے۔

دنیا میں آنے والی تکالیف اور بیماریاں اجر وثواب کا باعث بنتی ہیں۔ بس شرط یہ ہے کہ آدمی شکوہ شکایت زبان پر نہ لائے' صبر کا مظاہرہ کرے اور اجر کی امید رکھے۔ قیامت کے روز بعض لوگ ایسے بھی ہوں گے کہ ان کے اعمالِ حسنہ بخشش کے لئے کافی نہ ہوں گے' مگر دنیا میں برداشت کی جانے والی تکالیف کا اجر اعمالِ حسنہ کی کمی کو پورا کر دے گا اور حساب کے وقت اُن پر یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ دنیا کی زندگی میں آنے والی مصیبتیں اور بیماریاں اگر نہ ہوتیں تو نجات نہ ہو سکتی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن جب ان بندوں کو جو دنیا میں مبتلائے مصائب رہے' ان مصائب کے عوض اجر وثواب دیا جائے گا تو وہ لوگ جو دنیا میں ہمیشہ آرام وراحت سے رہے حسرت کریں گے کہ کاش دنیا میں ہماری کھالیں قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتیں''۔ (ترمذی)

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اندازہ کیجئے کہ ایک آدمی جو صحت کے ایام میں ذکر اذکار اور نیک اعمال کرتا ہے جب کبھی وہ بیمار ہو کر اپنے اعمالِ حسنہ ادا کرنے کے قابل نہ رہے تو اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے اس کو بیماری کے دنوں میں وہی اجر دیتا ہے جو اُسے اعمال حسنہ کرنے پر ملتا تھا۔ یہ اس لئے کہ اگر وہ بندہ بیمار نہ ہوتا تو اپنے اعمال حسنہ کے معمولات پر ضرور عمل پیرا رہتا۔

الغرض دنیاوی زندگی میں بندۂ مؤمن کو پیش آنے والے صدمات' تکالیف یا بیماریاں اس کے لئے درجات کی بلندی' گناہوں کی معافی اور نجات کا ذریعہ بن جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنے کسی بندے کو بغیر کسی عمل کے بھی بخشش سے نواز سکتا ہے مگر بتقاضائے حکمت وہ بندے کی تکالیف اور بیماریوں کو اس کے لئے وسیلۂ نجات بنا دیتا ہے یا پھر کسی دوسرے بندے کی اس کے حق میں کی جانے والی دعا کے طفیل اس کی بخشش کر دیتا ہے۔ بہرحال صبر اور ثبات کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ چنانچہ اسی سے نیکی اور صبر کی توفیق طلب کرنی چاہئے۔

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلاَّ بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

دُکھ اور تکلیف کا اُمید افزا پہلو

تحریر: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

اگر اسلام کو امید کا دین کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا' کیونکہ یہ ایسا ضابطۂ حیات ہے جو اپنے ماننے والوں کو کسی بھی حال میں مایوس نہیں کرتا۔ غربت اور بدحالی میں یہ فراخی اور خوش حالی کی امید دلاتا ہے۔ بیماری میں صحت کی امید کے ساتھ ساتھ گناہوں کے مٹنے کی نوید سناتا ہے۔ گناہگاروں کو توبہ کا راستہ دکھاتا ہے۔ غرض اسلام وہ طرزِ حیات ہے جو کسی کو ایسی صورتِ حال سے دوچار نہیں کرتا جہاں آگے نکلنے کا کوئی راستہ نہ رہ گیا ہو۔

اسلام میں خودکشی حرام ہے۔ اس لئے کہ خودکشی کرنے والا حالات سے اس قدر دل برداشتہ ہو جاتا ہے کہ وہ موت کو زندگی پر ترجیح دیتا ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو ہمیشہ صورت حال کا روشن پہلو دکھاتا ہے اور مایوسی دور کرتا ہے۔

انسانی زندگی میں دکھ سکھ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ آدمی پر بیماری بھی آتی ہے' جو زندگی میں تلخی اور تکلیف کا باعث ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں اسلام حوصلہ دیتا ہے کہ بیماری کی وجہ سے انسان کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مردِ مؤمن کو جو بھی دکھ' بیماری' پریشانی' رنج وغم اور اذیت پہنچتی ہے' یہاں تک کہ اُسے کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان چیزوں کے ذریعے اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے''۔ (بخاری ومسلم) پس بیماری بھی ایک طرح سے رحمت ہے' کیونکہ کوئی فردِ بشر ایسا نہیں جس سے کبھی گناہ کا صدور نہ ہوا ہو۔ یوں ہر شخص کو اللہ کی رحمت کی ضرورت ہے جو اُس کے گناہوں کو مٹا دے۔ چنانچہ بیماری اور مصیبت گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کسی مردِ مؤمن کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے' مرض سے یا اس کے علاوہ' اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اس کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتا ہے جس طرح خزاں رسیدہ درخت اپنے پتے جھاڑ دیتا ہے''۔

(بخاری و مسلم)

ذرا غور کیجئے! جب کوئی بندہ بیمار ہو اور اس کے سامنے اسلام کی یہ تعلیم ہو کہ بیماری کی تکلیف اُس کے لئے گناہوں کے مٹانے کا وسیلہ بن جائے گی تو جہاں اُس کے لئے تکلیف قابل برداشت ہو جائے گی وہاں اس کو ایک گونہ سکون بھی ہوگا کہ اس پر سے گناہوں کا بوجھ اتر رہا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کے بعض ایمان والے بندوں یا ایمان والی بندیوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصائب اور حوادث آتے رہتے ہیں، کبھی اس کی جان پر، کبھی اس کے مال پر، کبھی اس کی اولاد پر (اور اس کے نتیجہ میں اس کے گناہ جھڑتے رہتے ہیں) یہاں تک کہ مرنے کے بعد وہ اللہ کے حضور اس حال میں پہنچتا ہے کہ اس کا ایک گناہ بھی باقی نہیں ہوتا''۔ (جامع ترمذی) بعض لوگ دنیا میں حد سے زیادہ دکھ، تکلیف اور بیماری کا شکار بنتے ہیں۔ ان لوگوں کو اجر اُسی مقدار میں ملے گا جس مقدار میں انہوں نے مصیبت اٹھائی۔

بیمار کی عیادت بھی بہت بڑا کارِ ثواب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلموں کی عیادت کے لئے بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، بیماروں کی عیادت کرو اور جو لوگ ناحق قید کر دیئے گئے ہوں ان کی رہائی کی کوشش کرو''۔ (بخاری)

کبھی کبھی کوئی مصیبت یا پریشانی انسان کی اپنی غلطی کی وجہ سے بھی ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں انسان عملی طور پر اپنی غلطی کی اصلاح کرے۔ ہر مصیبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ ﴿مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ ہر مصیبت کو صرف اللہ کے غضب اور قہر کا ظہور ہی نہیں سمجھنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے لئے ان میں خیر اور رحمت کا بڑا سامان ہے۔ ان کے ذریعے گناہوں کی صفائی اور تطہیر ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمتیں برستی ہیں، درجات بلند ہوتے ہیں اور اعمال میں کوتاہیوں کی تلافی ہوتی ہے۔

دنیا میں آنے والی تکالیف اور بیماریاں اجر و ثواب کا باعث بنتی ہیں۔ بس شرط یہ ہے کہ آدمی شکوہ شکایت زبان پر نہ لائے، صبر کا مظاہرہ کرے اور اجر کی امید رکھے۔ قیامت کے روز بعض لوگ ایسے بھی ہوں گے کہ ان کے اعمالِ حسنہ بخشش کے لئے کافی نہ ہوں گے، مگر دنیا میں برداشت کی جانے والی تکالیف کا اجر اعمالِ حسنہ کی کمی کو پورا کر دے گا اور حساب کے

وقت اُن پر یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ دنیا کی زندگی میں آنے والی مصیبتیں اور بیماریاں اگر نہ ہوتیں تو نجات نہ ہو سکتی۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’قیامت کے دن جب ان بندوں کو جو دنیا میں مبتلائے مصائب رہے‘ ان مصائب کے عوض اجر و ثواب دیا جائے گا تو وہ لوگ جو دنیا میں ہمیشہ آرام و راحت سے رہے حسرت کریں گے کہ کاش دنیا میں ہماری کھالیں قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتیں‘‘۔ (ترمذی)

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اندازہ کیجئے کہ ایک آدمی جو صحت کے ایام میں ذکر اذکار اور نیک اعمال کرتا ہے جب کبھی وہ بیمار ہو کر اپنے اعمالِ حسنہ ادا کرنے کے قابل نہ رہے تو اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے اس کو بیماری کے دنوں میں وہی اجر دیتا ہے جو اُسے اعمال حسنہ کرنے پر ملتا تھا۔ یہ اس لئے کہ اگر وہ بندہ بیمار نہ ہوتا تو اپنے اعمال حسنہ کے معمولات پر ضرور عمل پیرا رہتا۔

الغرض دنیاوی زندگی میں بندۂ مؤمن کو پیش آنے والے صدمات‘ تکالیف یا بیماریاں اس کے لئے درجات کی بلندی‘ گناہوں کی معافی اور نجات کا ذریعہ بن جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنے کسی بندے کو بغیر کسی عمل کے بھی بخشش سے نواز سکتا ہے مگر بتقاضائے حکمت وہ بندے کی تکالیف اور بیماریوں کو اس کے لئے وسیلۂ نجات بنا دیتا ہے یا پھر کسی دوسرے بندے کی اس کے حق میں کی جانے والی دعا کے طفیل اس کی بخشش کر دیتا ہے۔ بہر حال صبر اور ثبات کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ چنانچہ اسی سے نیکی اور صبر کی توفیق طلب کرنی چاہیے۔

وَمَا تَوۡفِیۡقِیۡ اِلاَّ بِاللّٰہِ الۡعَلِیِّ الۡعَظِیۡمِ

دُکھ اور تکلیف کا اُمید افزا پہلو

تحریر: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

اگر اسلام کو امید کا دین کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا‘ کیونکہ یہ ایسا ضابطۂ حیات ہے جو اپنے ماننے والوں کو کسی بھی حال میں مایوس نہیں کرتا۔ غربت اور بدحالی میں یہ فراخی اور خوش حالی

کی امید دلاتا ہے۔ بیماری میں صحت کی امید کے ساتھ ساتھ گناہوں کے مٹنے کی نوید سناتا ہے۔ گناہگاروں کو توبہ کا راستہ دکھاتا ہے۔ غرض اسلام وہ طرزِ حیات ہے جو کسی کو ایسی صورتِ حال سے دوچار نہیں کرتا جہاں آگے نکلنے کا کوئی راستہ نہ رہ گیا ہو۔

اسلام میں خودکشی حرام ہے۔ اس لئے کہ خودکشی کرنے والا حالات سے اس قدر دل برداشتہ ہو جاتا ہے کہ وہ موت کو زندگی پر ترجیح دیتا ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو ہمیشہ صورت حال کا روشن پہلو دکھاتا ہے اور مایوسی دور کرتا ہے۔

انسانی زندگی میں دکھ سکھ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ آدمی پر بیماری بھی آتی ہے' جو زندگی میں تلخی اور تکلیف کا باعث ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں اسلام حوصلہ دیتا ہے کہ بیماری کی وجہ سے انسان کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مردِ مؤمن کو جو بھی دکھ' بیماری' پریشانی' رنج وغم اور اذیت پہنچتی ہے' یہاں تک کہ اُسے کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان چیزوں کے ذریعے اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے''۔ (بخاری ومسلم) پس بیماری بھی ایک طرح سے رحمت ہے' کیونکہ کوئی فردِ بشر ایسا نہیں جس سے کبھی گناہ کا صدور نہ ہوا ہو۔ یوں ہر شخص کو اللہ کی رحمت کی ضرورت ہے جو اُس کے گناہوں کو مٹا دے۔ چنانچہ بیماری اور مصیبت گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کسی مردِ مؤمن کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے' مرض سے یا اس کے علاوہ' اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اس کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتا ہے جس طرح خزاں رسیدہ درخت اپنے پتے جھاڑ دیتا ہے''۔
(بخاری ومسلم)

ذرا غور کیجئے! جب کوئی بندہ بیمار ہو اور اس کے سامنے اسلام کی یہ تعلیم ہو کہ بیماری کی تکلیف اُس کے لئے گناہوں کے مٹانے کا وسیلہ بن جائے گی تو جہاں اُس کے لئے تکلیف قابل برداشت ہو جائے گی وہاں اس کو ایک گونہ سکون بھی ہوگا کہ اس پر سے گناہوں کا بوجھ اتر رہا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کے بعض ایمان والے بندوں یا ایمان والی بندیوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصائب اور حوادث آتے رہتے ہیں' کبھی اس کی جان پر' کبھی اس کے مال پر' کبھی اس کی اولاد پر (اور اس کے نتیجہ میں اس کے گناہ جھڑتے رہتے ہیں) یہاں تک کہ مرنے کے بعد وہ اللہ کے حضور اس حال میں

پہنچتا ہے کہ اس کا ایک گناہ بھی باقی نہیں ہوتا''۔ (جامع ترمذی) بعض لوگ دنیا میں حد سے زیادہ دکھ' تکلیف اور بیماری کا شکار بنتے ہیں۔ ان لوگوں کو اجر اُسی مقدار میں ملے گا جس مقدار میں انہوں نے مصیبت اٹھائی۔

بیمار کی عیادت بھی بہت بڑا کارِ ثواب ہے۔ رسول اللہ ﷺ خود نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلموں کی عیادت کے لئے بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بھوکوں کو کھانا کھلاؤ' بیماروں کی عیادت کرو اور جو لوگ ناحق قید کر دیئے گئے ہوں ان کی رہائی کی کوشش کرو''۔ (بخاری)

کبھی کبھی کوئی مصیبت یا پریشانی انسان کی اپنی غلطی کی وجہ سے بھی ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں انسان عملی طور پر اپنی غلطی کی اصلاح کرے۔ ہر مصیبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ ﴿مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ مصیبت کو صرف اللہ کے غضب اور قہر کا ظہور ہی نہیں سمجھنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے لئے ان میں خیر اور رحمت کا بڑا سامان ہے۔ ان کے ذریعے گناہوں کی صفائی اور تطہیر ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ کی رحمتیں برستی ہیں' درجات بلند ہوتے ہیں اور اعمال میں کوتاہیوں کی تلافی ہوتی ہے۔

دنیا میں آنے والی تکالیف اور بیماریاں اجر و ثواب کا باعث بنتی ہیں۔ بس شرط یہ ہے کہ آدمی شکوہ شکایت زبان پر نہ لائے' صبر کا مظاہرہ کرے اور اجر کی امید رکھے۔ قیامت کے روز بعض لوگ ایسے بھی ہوں گے کہ ان کے اعمالِ حسنہ بخشش کے لئے کافی نہ ہوں گے' مگر دنیا میں برداشت کی جانے والی تکالیف کا اجر اعمالِ حسنہ کی کمی کو پورا کر دے گا اور حساب کے وقت اُن پر یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ دنیا کی زندگی میں آنے والی مصیبتیں اور بیماریاں اگر نہ ہوتیں تو نجات نہ ہو سکتی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن جب ان بندوں کو جو دنیا میں مبتلائے مصائب رہے' ان مصائب کے عوض اجر و ثواب دیا جائے گا تو وہ لوگ جو دنیا میں ہمیشہ آرام و راحت سے رہے حسرت کریں گے کہ کاش دنیا میں ہماری کھالیں قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتیں''۔ (ترمذی)

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اندازہ کیجئے کہ ایک آدمی جو صحت کے ایام میں ذکر اذکار اور نیک اعمال کرتا ہے جب کبھی وہ بیمار ہو کر اپنے اعمالِ حسنہ ادا کرنے کے قابل نہ رہے تو اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے اس کو بیماری کے دنوں میں وہی اجر دیتا ہے جو اُسے اعمال حسنہ کرنے پر ملتا تھا۔ یہ اس لئے کہ اگر وہ بندہ بیمار نہ ہوتا تو اپنے اعمال حسنہ کے معمولات پر ضرور

E:\Ms-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq may05\temp.inp 8/22/2014 4:01 PM PAGE 9 (1,1)

عمل پیرا رہتا۔

الغرض دنیاوی زندگی میں بندۂ مؤمن کو پیش آنے والے صدمات' تکالیف یا بیماریاں اس کے لئے درجات کی بلندی' گناہوں کی معافی اور نجات کا ذریعہ بن جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنے کسی بندے کو بغیر کسی عمل کے بھی بخشش سے نواز سکتا ہے مگر بتقاضائے حکمت وہ بندے کی تکالیف اور بیماریوں کو اس کے لئے وسیلۂ نجات بنا دیتا ہے یا پھر کسی دوسرے بندے کی اس کے حق میں کی جانے والی دعا کے طفیل اس کی بخشش کر دیتا ہے۔ بہرحال صبر اور ثبات کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ چنانچہ اسی سے نیکی اور صبر کی توفیق طلب کرنی چاہیے۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلاَّ بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

دُکھ اور تکلیف کا اُمید افزا پہلو

تحریر: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

اگر اسلام کو امید کا دین کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا' کیونکہ یہ ایسا ضابطۂ حیات ہے جو اپنے ماننے والوں کو کسی بھی حال میں مایوس نہیں کرتا۔ غربت اور بدحالی میں یہ فراخی اور خوش حالی کی امید دلاتا ہے۔ بیماری میں صحت کی امید کے ساتھ ساتھ گناہوں کے مٹنے کی نوید سناتا ہے۔ گناہگاروں کو توبہ کا راستہ دکھاتا ہے۔ غرض اسلام وہ طرزِ حیات ہے جو کسی کو ایسی صورتِ حال سے دوچار نہیں کرتا جہاں آگے نکلنے کا کوئی راستہ نہ رہ گیا ہو۔

اسلام میں خودکشی حرام ہے۔ اس لئے کہ خودکشی کرنے والا حالات سے اس قدر دل برداشتہ ہو جاتا ہے کہ وہ موت کو زندگی پر ترجیح دیتا ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو ہمیشہ صورت حال کا روشن پہلو دکھاتا ہے اور مایوسی دور کرتا ہے۔

انسانی زندگی میں دکھ سکھ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ آدمی پر بیماری بھی آتی ہے' جو زندگی میں تلخی اور تکلیف کا باعث ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں اسلام حوصلہ دیتا ہے کہ بیماری کی وجہ سے انسان کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مردِ مؤمن کو جو بھی دکھ' بیماری' پریشانی' رنج و غم اور اذیت پہنچتی ہے' یہاں تک کہ اُسے کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان چیزوں کے ذریعے اس کے گناہ معاف کر

دیتا ہے''۔ (بخاری و مسلم) پس بیماری بھی ایک طرح سے رحمت ہے' کیونکہ کوئی فردِ بشر ایسا نہیں جس سے کبھی گناہ کا صدور نہ ہوا ہو۔ یوں ہر شخص کو اللہ کی رحمت کی ضرورت ہے جو اُس کے گناہوں کو مٹا دے۔ چنانچہ بیماری اور مصیبت گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کسی مردِ مؤمن کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے' مرض سے یا اس کے علاوہ' اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اس کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتا ہے جس طرح خزاں رسیدہ درخت اپنے پتے جھاڑ دیتا ہے''۔
(بخاری و مسلم)

ذرا غور کیجئے! جب کوئی بندہ بیمار ہو اور اس کے سامنے اسلام کی یہ تعلیم ہو کہ بیماری کی تکلیف اُس کے لئے گناہوں کے مٹانے کا وسیلہ بن جائے گی تو جہاں اُس کے لئے تکلیف قابل برداشت ہو جائے گی وہاں اس کو ایک گونہ سکون بھی ہوگا کہ اس پر سے گناہوں کا بوجھ اتر رہا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے بعض ایمان والے بندوں یا ایمان والی بندیوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصائب اور حوادث آتے رہتے ہیں' کبھی اس کی جان پر' کبھی اس کے مال پر' کبھی اس کی اولاد پر (اور اس کے نتیجہ میں اس کے گناہ جھڑتے رہتے ہیں) یہاں تک کہ مرنے کے بعد وہ اللہ کے حضور اس حال میں پہنچتا ہے کہ اس کا ایک گناہ بھی باقی نہیں ہوتا''۔ (جامع ترمذی) بعض لوگ دنیا میں حد سے زیادہ دکھ' تکلیف اور بیماری کا شکار بنتے ہیں۔ ان لوگوں کو اجر اُسی مقدار میں ملے گا جس مقدار میں انہوں نے مصیبت اٹھائی۔

بیمار کی عیادت بھی بہت بڑا کارِ ثواب ہے۔ رسول اللہ ﷺ خود نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلموں کی عیادت کے لئے بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بھوکوں کو کھانا کھلاؤ' بیماروں کی عیادت کرو اور جو لوگ ناحق قید کر دیئے گئے ہوں ان کی رہائی کی کوشش کرو''۔ (بخاری)

کبھی کبھی کوئی مصیبت یا پریشانی انسان کی اپنی غلطی کی وجہ سے بھی ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں انسان عملی طور پر اپنی غلطی کی اصلاح کرے۔ ہر مصیبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ ﴿مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ جو مصیبت کو صرف اللہ کے غضب اور قہر کا ظہور ہی نہیں سمجھنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے لئے ان میں خیر اور رحمت کا بڑا

سامان ہے۔ان کے ذریعے گناہوں کی صفائی اور تطہیر ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ کی رحمتیں برستی ہیں' درجات بلند ہوتے ہیں اور اعمال میں کوتاہیوں کی تلافی ہوتی ہے۔

دنیا میں آنے والی تکالیف اور بیماریاں اجر وثواب کا باعث بنتی ہیں۔بس شرط یہ ہے کہ آدمی شکوہ شکایت زبان پر نہ لائے' صبر کا مظاہرہ کرے اور اجر کی امید رکھے۔قیامت کے روز بعض لوگ ایسے بھی ہوں گے کہ ان کے اعمالِ حسنہ بخشش کے لئے کافی نہ ہوں گے' مگر دنیا میں برداشت کی جانے والی تکالیف کا اجر اعمالِ حسنہ کی کمی کو پورا کر دے گا اور حساب کے وقت اُن پر یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ دنیا کی زندگی میں آنے والی مصیبتیں اور بیماریاں اگر نہ ہوتیں تو نجات نہ ہو سکتی۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن جب ان بندوں کو جو دنیا میں مبتلائے مصائب رہے' ان مصائب کے عوض اجر وثواب دیا جائے گا تو وہ لوگ جو دنیا میں ہمیشہ آرام وراحت سے رہے حسرت کریں گے کہ کاش دنیا میں ہماری کھالیں قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتیں''۔(ترمذی)

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اندازہ کیجئے کہ ایک آدمی جو صحت کے ایام میں ذکر اذکار اور نیک اعمال کرتا ہے جب کبھی وہ بیمار ہو کر اپنے اعمالِ حسنہ ادا کرنے کے قابل نہ رہے تو اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے اس کو بیماری کے دنوں میں وہی اجر دیتا ہے جو اُسے اعمال حسنہ کرنے پر ملتا تھا۔یہ اس لئے کہ اگر وہ بندہ بیمار نہ ہوتا تو اپنے اعمال حسنہ کے معمولات پر ضرور عمل پیرا رہتا۔

الغرض دنیاوی زندگی میں بندۂ مؤمن کو پیش آنے والے صدمات' تکالیف یا بیماریاں اس کے لئے درجات کی بلندی' گناہوں کی معافی اور نجات کا ذریعہ بن جائیں گی۔اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنے کسی بندے کو بغیر کسی عمل کے بھی بخشش سے نواز سکتا ہے مگر بتقاضائے حکمت وہ بندے کی تکالیف اور بیماریوں کو اس کے لئے وسیلۂ نجات بنا دیتا ہے یا پھر کسی دوسرے بندے کی اس کے حق میں کی جانے والی دعا کے طفیل اس کی بخشش کر دیتا ہے۔بہرحال صبر اور ثبات کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔چنانچہ اسی سے نیکی اور صبر کی توفیق طلب کرنی چاہئے۔

دُکھ اور تکلیف کا اُمید

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

افزا پہلو

تحریر: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

اگر اسلام کو امید کا دین کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا' کیونکہ یہ ایسا ضابطۂ حیات ہے جو اپنے ماننے والوں کو کسی بھی حال میں مایوس نہیں کرتا۔ غربت اور بدحالی میں یہ فراخی اور خوش حالی کی امید دلاتا ہے۔ بیماری میں صحت کی امید کے ساتھ ساتھ گناہوں کے مٹنے کی نوید سناتا ہے۔ گناہگاروں کو توبہ کا راستہ دکھاتا ہے۔ غرض اسلام وہ طرزِ حیات ہے جو کسی کو ایسی صورتِ حال سے دوچار نہیں کرتا جہاں آگے نکلنے کا کوئی راستہ نہ رہ گیا ہو۔

اسلام میں خودکشی حرام ہے۔ اس لئے کہ خودکشی کرنے والا حالات سے اس قدر دل برداشتہ ہو جاتا ہے کہ وہ موت کو زندگی پر ترجیح دیتا ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو ہمیشہ صورت حال کا روشن پہلو دکھاتا ہے اور مایوسی دور کرتا ہے۔

انسانی زندگی میں دکھ سکھ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ آدمی پر بیماری بھی آتی ہے' جو زندگی میں تلخی اور تکلیف کا باعث ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں اسلام حوصلہ دیتا ہے کہ بیماری کی وجہ سے انسان کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مردِ مؤمن کو جو بھی دکھ' بیماری' پریشانی' رنج وغم اور اذیت پہنچتی ہے' یہاں تک کہ اُسے کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان چیزوں کے ذریعے اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے''۔ (بخاری ومسلم) پس بیماری بھی ایک طرح سے رحمت ہے' کیونکہ کوئی فردِ بشر ایسا نہیں جس سے کبھی گناہ کا صدور نہ ہوا ہو۔ یوں ہر شخص کو اللہ کی رحمت کی ضرورت ہے جو اُس کے گناہوں کو مٹا دے۔ چنانچہ بیماری اور مصیبت گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کسی مردِ مؤمن کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے' مرض سے یا اس کے علاوہ' اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اس کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتا ہے جس طرح خزاں رسیدہ درخت اپنے پتے جھاڑ دیتا ہے''۔
(بخاری ومسلم)

ذرا غور کیجئے! جب کوئی بندہ بیمار ہو اور اس کے سامنے اسلام کی یہ تعلیم ہو کہ بیماری کی تکلیف اُس کے لئے گناہوں کے مٹانے کا وسیلہ بن جائے گی تو جہاں اُس کے لئے تکلیف

قابل برداشت ہو جائے گی وہاں اس کو ایک گونہ سکون بھی ہوگا کہ اس پر سے گناہوں کا بوجھ اتر رہا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے بعض ایمان والے بندوں یا ایمان والی بندیوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصائب اور حوادث آتے رہتے ہیں' کبھی اس کی جان پر' کبھی اس کے مال پر' کبھی اس کی اولاد پر (اور اس کے نتیجہ میں اس کے گناہ جھڑتے رہتے ہیں) یہاں تک کہ مرنے کے بعد وہ اللہ کے حضور اس حال میں پہنچتا ہے کہ اس کا ایک گناہ بھی باقی نہیں ہوتا''۔ (جامع ترمذی) بعض لوگ دنیا میں حد سے زیادہ دکھ' تکلیف اور بیماری کا شکار بنتے ہیں۔ ان لوگوں کو اجر اُسی مقدار میں ملے گا جس مقدار میں انہوں نے مصیبت اٹھائی۔

بیمار کی عیادت بھی بہت بڑا کارِ ثواب ہے۔ رسول اللہ ﷺ خود نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلموں کی عیادت کے لئے بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ابو موسیٰ اشعری ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بھوکوں کو کھانا کھلاؤ' بیماروں کی عیادت کرو اور جو لوگ ناحق قید کر دیئے گئے ہوں ان کی رہائی کی کوشش کرو''۔ (بخاری)

کبھی کبھی کوئی مصیبت یا پریشانی انسان کی اپنی غلطی کی وجہ سے بھی ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں انسان عملی طور پر اپنی غلطی کی اصلاح کرے۔ ہر مصیبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ ﴿مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ مصیبت کو صرف اللہ کے غضب اور قہر کا ظہور ہی نہیں سمجھنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے لئے ان میں خیر اور رحمت کا بڑا سامان ہے۔ ان کے ذریعے گناہوں کی صفائی اور تطہیر ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ کی رحمتیں برستی ہیں' درجات بلند ہوتے ہیں اور اعمال میں کوتاہیوں کی تلافی ہوتی ہے۔

دنیا میں آنے والی تکالیف اور بیماریاں اجر و ثواب کا باعث بنتی ہیں۔ بس شرط یہ ہے کہ آدمی شکوہ شکایت زبان پر نہ لائے' صبر کا مظاہرہ کرے اور اجر کی امید رکھے۔ قیامت کے روز بعض لوگ ایسے بھی ہوں گے کہ ان کے اعمالِ حسنہ بخشش کے لئے کافی نہ ہوں گے' مگر دنیا میں برداشت کی جانے والی تکالیف کا اجر اعمالِ حسنہ کی کمی کو پورا کر دے گا اور حساب کے وقت اُن پر یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ دنیا کی زندگی میں آنے والی مصیبتیں اور بیماریاں اگر نہ ہوتیں تو نجات نہ ہو سکتی۔ حضرت جابر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن جب ان بندوں کو جو دنیا میں مبتلائے مصائب رہے' ان مصائب کے عوض

اجر وثواب دیا جائے گا تو وہ لوگ جو دنیا میں ہمیشہ آرام وراحت سے رہے حسرت کریں گے کہ کاش دنیا میں ہماری کھالیں قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتیں''۔(ترمذی)

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اندازہ کیجئے کہ ایک آدمی جو صحت کے ایام میں ذکر اذکار اور نیک اعمال کرتا ہے جب کبھی وہ بیمار ہو کر اپنے اعمالِ حسنہ ادا کرنے کے قابل نہ رہے تو اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے اس کو بیماری کے دنوں میں وہی اجر دیتا ہے جو اُسے اعمال حسنہ کرنے پر ملتا تھا۔ یہ اس لئے کہ اگر وہ بندہ بیمار نہ ہوتا تو اپنے اعمال حسنہ کے معمولات پر ضرور عمل پیرا رہتا۔

الغرض دنیاوی زندگی میں بندۂ مؤمن کو پیش آنے والے صدمات' تکالیف یا بیماریاں اس کے لئے درجات کی بلندی' گناہوں کی معافی اور نجات کا ذریعہ بن جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنے کسی بندے کو بغیر کسی عمل کے بھی بخشش سے نواز سکتا ہے مگر بتقاضائے حکمت وہ بندے کی تکالیف اور بیماریوں کو اس کے لئے وسیلۂ نجات بنا دیتا ہے یا پھر کسی دوسرے بندے کی اس کے حق میں کی جانے والی دعا کے طفیل اس کی بخشش کر دیتا ہے۔ بہرحال صبر اور ثبات کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ چنانچہ اسی سے نیکی اور صبر کی توفیق طلب کرنی چاہئے۔

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلاَّ بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

دُکھ اور تکلیف کا اُمید افزا پہلو

تحریر: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

اگر اسلام کو امید کا دین کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا' کیونکہ یہ ایسا ضابطۂ حیات ہے جو اپنے ماننے والوں کو کسی بھی حال میں مایوس نہیں کرتا۔ غربت اور بدحالی میں یہ فراخی اور خوش حالی کی امید دلاتا ہے۔ بیماری میں صحت کی امید کے ساتھ ساتھ گناہوں کے مٹنے کی نوید سناتا ہے۔ گناہگاروں کو توبہ کا راستہ دکھاتا ہے۔ غرض اسلام وہ طرزِ حیات ہے جو کسی کو ایسی صورتِ حال سے دوچار نہیں کرتا جہاں آگے نکلنے کا کوئی راستہ نہ رہ گیا ہو۔

اسلام میں خودکشی حرام ہے۔ اس لئے کہ خودکشی کرنے والا حالات سے اس قدر دل برداشتہ ہو جاتا ہے کہ وہ موت کو زندگی پر ترجیح دیتا ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو ہمیشہ صورت حال کا روشن پہلو دکھاتا ہے اور مایوسی دور کرتا ہے۔

انسانی زندگی میں دکھ سکھ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ آدمی پر بیماری بھی آتی ہے' جو زندگی میں تلخی اور تکلیف کا باعث ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں اسلام حوصلہ دیتا ہے کہ بیماری کی وجہ سے انسان کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مردِ مؤمن کو جو بھی دکھ' بیماری' پریشانی' رنج وغم اور اذیت پہنچتی ہے' یہاں تک کہ اُسے کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان چیزوں کے ذریعے اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے''۔ (بخاری ومسلم) پس بیماری بھی ایک طرح سے رحمت ہے' کیونکہ کوئی فردِ بشر ایسا نہیں جس سے کبھی گناہ کا صدور نہ ہوا ہو۔ یوں ہر شخص کو اللہ کی رحمت کی ضرورت ہے جو اُس کے گناہوں کو مٹا دے۔ چنانچہ بیماری اور مصیبت گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کسی مردِ مؤمن کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے' مرض سے یا اس کے علاوہ' اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اس کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتا ہے جس طرح خزاں رسیدہ درخت اپنے پتے جھاڑ دیتا ہے''۔
(بخاری ومسلم)

ذرا غور کیجئے! جب کوئی بندہ بیمار ہو اور اس کے سامنے اسلام کی یہ تعلیم ہو کہ بیماری کی تکلیف اُس کے لئے گناہوں کے مٹانے کا وسیلہ بن جائے گی تو جہاں اُس کے لئے تکلیف قابل برداشت ہو جائے گی وہاں اس کو ایک گونہ سکون بھی ہوگا کہ اس پر سے گناہوں کا بوجھ اتر رہا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کے بعض ایمان والے بندوں یا ایمان والی بندیوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصائب اور حوادث آتے رہتے ہیں' کبھی اس کی جان پر' کبھی اس کے مال پر' کبھی اس کی اولاد پر (اور اس کے نتیجہ میں اس کے گناہ جھڑتے رہتے ہیں) یہاں تک کہ مرنے کے بعد وہ اللہ کے حضور اس حال میں پہنچتا ہے کہ اس کا ایک گناہ بھی باقی نہیں ہوتا''۔ (جامع ترمذی) بعض لوگ دنیا میں حد سے زیادہ دکھ' تکلیف اور بیماری کا شکار بنتے ہیں۔ ان لوگوں کو اجر اُسی مقدار میں ملے گا جس مقدار میں انہوں نے مصیبت اٹھائی۔

بیمار کی عیادت بھی بہت بڑا کارِ ثواب ہے۔ رسول اللہ ﷺ خود نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلموں کی عیادت کے لئے بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بھوکوں کو کھانا کھلاؤ' بیماروں کی عیادت کرو اور جو لوگ ناحق قید کر دیئے گئے ہوں ان کی رہائی کی کوشش کرو''۔ (بخاری)

کبھی کبھی کوئی مصیبت یا پریشانی انسان کی اپنی غلطی کی وجہ سے بھی ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں انسان عملی طور پر اپنی غلطی کی اصلاح کرے۔ ہر مصیبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ ﴿مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ مصیبت کو صرف اللہ کے غضب اور قہر کا ظہور ہی نہیں سمجھنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے لئے ان میں خیر اور رحمت کا بڑا سامان ہے۔ ان کے ذریعے گناہوں کی صفائی اور تطہیر ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ کی رحمتیں برستی ہیں' درجات بلند ہوتے ہیں اور اعمال میں کوتاہیوں کی تلافی ہوتی ہے۔

دنیا میں آنے والی تکالیف اور بیماریاں اجر و ثواب کا باعث بنتی ہیں۔ بس شرط یہ ہے کہ آدمی شکوہ شکایت زبان پر نہ لائے' صبر کا مظاہرہ کرے اور اجر کی امید رکھے۔ قیامت کے روز بعض لوگ ایسے بھی ہوں گے کہ ان کے اعمالِ حسنہ بخشش کے لئے کافی نہ ہوں گے' مگر دنیا میں برداشت کی جانے والی تکالیف کا اجر اعمالِ حسنہ کی کمی کو پورا کر دے گا اور حساب کے وقت اُن پر یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ دنیا کی زندگی میں آنے والی مصیبتیں اور بیماریاں اگر نہ ہوتیں تو نجات نہ ہو سکتی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن جب ان بندوں کو جو دنیا میں مبتلائے مصائب رہے' ان مصائب کے عوض اجر و ثواب دیا جائے گا تو وہ لوگ جو دنیا میں ہمیشہ آرام و راحت سے رہے حسرت کریں گے کہ کاش دنیا میں ہماری کھالیں قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتیں''۔ (ترمذی)

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اندازہ کیجئے کہ ایک آدمی جو صحت کے ایام میں ذکر اذکار اور نیک اعمال کرتا ہے جب کبھی وہ بیمار ہو کر اپنے اعمالِ حسنہ ادا کرنے کے قابل نہ رہے تو اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے اس کو بیماری کے دنوں میں وہی اجر دیتا ہے جو اُسے اعمال حسنہ کرنے پر ملتا تھا۔ یہ اس لئے کہ اگر وہ بندہ بیمار نہ ہوتا تو اپنے اعمال حسنہ کے معمولات پر ضرور عمل پیرا رہتا۔

الغرض دنیاوی زندگی میں بندۂ مؤمن کو پیش آنے والے صدمات' تکالیف یا بیماریاں اس کے لئے درجات کی بلندی' گناہوں کی معافی اور نجات کا ذریعہ بن جائیں گی۔ اللہ

تعالیٰ چاہے تو اپنے کسی بندے کو بغیر کسی عمل کے بھی بخشش سے نواز سکتا ہے مگر بتقاضائے حکمت وہ بندے کی تکالیف اور بیماریوں کو اس کے لئے وسیلۂ نجات بنا دیتا ہے یا پھر کسی دوسرے بندے کی اس کے حق میں کی جانے والی دعا کے طفیل اس کی بخشش کر دیتا ہے۔ بہر حال صبر اور ثبات کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ چنانچہ اسی سے نیکی اور صبر کی توفیق طلب کرنی چاہیے۔

وَمَا تَوۡفِيۡقِىۡ اِلَّا بِاللّٰهِ الۡعَلِىِّ الۡعَظِيۡمِ

دُکھ اور تکلیف کا اُمید افزا پہلو

تحریر: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

اگر اسلام کو امید کا دین کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا' کیونکہ یہ ایسا ضابطۂ حیات ہے جو اپنے ماننے والوں کو کسی بھی حال میں مایوس نہیں کرتا۔ غربت اور بدحالی میں یہ فراخی اور خوش حالی کی امید دلاتا ہے۔ بیماری میں صحت کی امید کے ساتھ ساتھ گناہوں کے مٹنے کی نوید سناتا ہے۔ گناہگاروں کو توبہ کا راستہ دکھاتا ہے۔ غرض اسلام وہ طرزِ حیات ہے جو کسی کو ایسی صورتِ حال سے دوچار نہیں کرتا جہاں آگے نکلنے کا کوئی راستہ نہ رہ گیا ہو۔

اسلام میں خودکشی حرام ہے۔ اس لئے کہ خودکشی کرنے والا حالات سے اس قدر دل برداشتہ ہو جاتا ہے کہ وہ موت کو زندگی پر ترجیح دیتا ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو ہمیشہ صورت حال کا روشن پہلو دکھاتا ہے اور مایوسی دور کرتا ہے۔

انسانی زندگی میں دکھ سکھ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ آدمی پر بیماری بھی آتی ہے' جو زندگی میں تلخی اور تکلیف کا باعث ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں اسلام حوصلہ دیتا ہے کہ بیماری کی وجہ سے انسان کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مردِ مؤمن کو جو بھی دکھ' بیماری' پریشانی' رنج و غم اور اذیت پہنچتی ہے' یہاں تک کہ اُسے کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان چیزوں کے ذریعے اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے''۔ (بخاری و مسلم) پس بیماری بھی ایک طرح سے رحمت ہے' کیونکہ کوئی فردِ بشر ایسا

نہیں جس سے کبھی گناہ کا صدور نہ ہوا ہو۔ یوں ہر شخص کو اللہ کی رحمت کی ضرورت ہے جو اُس کے گناہوں کو مٹا دے۔ چنانچہ بیماری اور مصیبت گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کسی مردِ مؤمن کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے' مرض سے یا اس کے علاوہ' اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اس کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتا ہے جس طرح خزاں رسیدہ درخت اپنے پتے جھاڑ دیتا ہے''۔
(بخاری و مسلم)

ذرا غور کیجئے! جب کوئی بندہ بیمار ہو اور اس کے سامنے اسلام کی یہ تعلیم ہو کہ بیماری کی تکلیف اُس کے لئے گناہوں کے مٹانے کا وسیلہ بن جائے گی تو جہاں اُس کے لئے تکلیف قابل برداشت ہو جائے گی وہاں اس کو ایک گونہ سکون بھی ہوگا کہ اس پر سے گناہوں کا بوجھ اتر رہا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے بعض ایمان والے بندوں یا ایمان والی بندیوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصائب اور حوادث آتے رہتے ہیں' کبھی اس کی جان پر' کبھی اس کے مال پر' کبھی اس کی اولاد پر (اور اس کے نتیجہ میں اس کے گناہ جھڑتے رہتے ہیں) یہاں تک کہ مرنے کے بعد وہ اللہ کے حضور اس حال میں پہنچتا ہے کہ اس کا ایک گناہ بھی باقی نہیں ہوتا''۔ (جامع ترمذی) بعض لوگ دنیا میں حد سے زیادہ دکھ' تکلیف اور بیماری کا شکار بنتے ہیں۔ ان لوگوں کو اجر اُسی مقدار میں ملے گا جس مقدار میں انہوں نے مصیبت اٹھائی۔

بیمار کی عیادت بھی بہت بڑا کارِ ثواب ہے۔ رسول اللہ ﷺ خود نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلموں کی عیادت کے لئے بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ابو موسیٰ اشعری ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بھوکوں کو کھانا کھلاؤ' بیماروں کی عیادت کرو اور جو لوگ ناحق قید کر دیئے گئے ہوں ان کی رہائی کی کوشش کرو''۔ (بخاری)

کبھی کبھی کوئی مصیبت یا پریشانی انسان کی اپنی غلطی کی وجہ سے بھی ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں انسان عملی طور پر اپنی غلطی کی اصلاح کرے۔ ہر مصیبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ ﴿مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ چنانچہ مصیبت کو صرف اللہ کے غضب اور قہر کا ظہور ہی نہیں سمجھنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے لئے ان میں خیر اور رحمت کا بڑا سامان ہے۔ ان کے ذریعے گناہوں کی صفائی اور تطہیر ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ کی رحمتیں برستی ہیں'

E:\Ms-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq may05\temp.inp 8/22/2014 4:02 PM PAGE 14 (1,1)

درجات بلند ہوتے ہیں اور اعمال میں کوتاہیوں کی تلافی ہوتی ہے۔

دنیا میں آنے والی تکالیف اور بیماریاں اجر و ثواب کا باعث بنتی ہیں۔ بس شرط یہ ہے کہ آدمی شکوہ شکایت زبان پر نہ لائے‘ صبر کا مظاہرہ کرے اور اجر کی امید رکھے۔ قیامت کے روز بعض لوگ ایسے بھی ہوں گے کہ ان کے اعمالِ حسنہ بخشش کے لئے کافی نہ ہوں گے‘ مگر دنیا میں برداشت کی جانے والی تکالیف کا اجر اعمالِ حسنہ کی کمی کو پورا کر دے گا اور حساب کے وقت اُن پر یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ دنیا کی زندگی میں آنے والی مصیبتیں اور بیماریاں اگر نہ ہوتیں تو نجات نہ ہو سکتی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’قیامت کے دن جب ان بندوں کو جو دنیا میں مبتلائے مصائب رہے‘ ان مصائب کے عوض اجر و ثواب دیا جائے گا تو وہ لوگ جو دنیا میں ہمیشہ آرام و راحت سے رہے حسرت کریں گے کہ کاش دنیا میں ہماری کھالیں قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتیں‘‘۔ (ترمذی)

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اندازہ کیجئے کہ ایک آدمی جو صحت کے ایام میں ذکر اذکار اور نیک اعمال کرتا ہے جب کبھی وہ بیمار ہو کر اپنے اعمالِ حسنہ ادا کرنے کے قابل نہ رہے تو اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے اس کو بیماری کے دنوں میں وہی اجر دیتا ہے جو اُسے اعمال حسنہ کرنے پر ملتا تھا۔ یہ اس لئے کہ اگر وہ بندہ بیمار نہ ہوتا تو اپنے اعمال حسنہ کے معمولات پر ضرور عمل پیرا رہتا۔

الغرض دنیاوی زندگی میں بندۂ مؤمن کو پیش آنے والے صدمات‘ تکالیف یا بیماریاں اس کے لئے درجات کی بلندی‘ گناہوں کی معافی اور نجات کا ذریعہ بن جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنے کسی بندے کو بغیر کسی عمل کے بھی بخشش سے نواز سکتا ہے مگر بتقاضائے حکمت وہ بندے کی تکالیف اور بیماریوں کو اس کے لئے وسیلۂ نجات بنا دیتا ہے یا پھر کسی دوسرے بندے کی اس کے حق میں کی جانے والی دعا کے طفیل اس کی بخشش کر دیتا ہے۔ بہر حال صبر اور ثبات کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ چنانچہ اسی سے نیکی اور صبر کی توفیق طلب کرنی چاہئے۔

وَمَا تَوۡفِیۡقِیۡ اِلَّا بِاللّٰہِ الۡعَلِیِّ الۡعَظِیۡمِ

افزا پہلو

تحریر: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

اگر اسلام کو امید کا دین کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا' کیونکہ یہ ایسا ضابطۂ حیات ہے جو اپنے ماننے والوں کو کسی بھی حال میں مایوس نہیں کرتا۔ غربت اور بدحالی میں یہ فراخی اور خوش حالی کی امید دلاتا ہے۔ بیماری میں صحت کی امید کے ساتھ ساتھ گناہوں کے مٹنے کی نوید سناتا ہے۔ گناہگاروں کو توبہ کا راستہ دکھاتا ہے۔ غرض اسلام وہ طرزِ حیات ہے جو کسی کو ایسی صورتِ حال سے دوچار نہیں کرتا جہاں آگے نکلنے کا کوئی راستہ نہ رہ گیا ہو۔

اسلام میں خودکشی حرام ہے۔ اس لئے کہ خودکشی کرنے والا حالات سے اس قدر دل برداشتہ ہو جاتا ہے کہ وہ موت کو زندگی پر ترجیح دیتا ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو ہمیشہ صورت حال کا روشن پہلو دکھاتا ہے اور مایوسی دور کرتا ہے۔

انسانی زندگی میں دکھ سکھ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ آدمی پر بیماری بھی آتی ہے' جو زندگی میں تلخی اور تکلیف کا باعث ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں اسلام حوصلہ دیتا ہے کہ بیماری کی وجہ سے انسان کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مردِ مؤمن کو جو بھی دکھ' بیماری' پریشانی' رنج وغم اور اذیت پہنچتی ہے' یہاں تک کہ اُسے کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان چیزوں کے ذریعے اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے''۔ (بخاری ومسلم) پس بیماری بھی ایک طرح سے رحمت ہے' کیونکہ کوئی فردِ بشر ایسا نہیں جس سے کبھی گناہ کا صدور نہ ہوا ہو۔ یوں ہر شخص کو اللہ کی رحمت کی ضرورت ہے جو اُس کے گناہوں کو مٹا دے۔ چنانچہ بیماری اور مصیبت گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کسی مردِ مؤمن کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے' مرض سے یا اس کے علاوہ' اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اس کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتا ہے جس طرح خزاں رسیدہ درخت اپنے پتے جھاڑ دیتا ہے''۔
(بخاری ومسلم)

ذرا غور کیجئے! جب کوئی بندہ بیمار ہو اور اس کے سامنے اسلام کی یہ تعلیم ہو کہ بیماری کی تکلیف اُس کے لئے گناہوں کے مٹانے کا وسیلہ بن جائے گی تو جہاں اُس کے لئے تکلیف

قابل برداشت ہو جائے گی وہاں اس کو ایک گونہ سکون بھی ہوگا کہ اس پر سے گناہوں کا بوجھ اتر رہا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کے بعض ایمان والے بندوں یا ایمان والی بندیوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصائب اور حوادث آتے رہتے ہیں' کبھی اس کی جان پر' کبھی اس کے مال پر' کبھی اس کی اولاد پر (اور اس کے نتیجہ میں اس کے گناہ جھڑتے رہتے ہیں) یہاں تک کہ مرنے کے بعد وہ اللہ کے حضور اس حال میں پہنچتا ہے کہ اس کا ایک گناہ بھی باقی نہیں ہوتا''۔ (جامع ترمذی) بعض لوگ دنیا میں حد سے زیادہ دکھ' تکلیف اور بیماری کا شکار بنتے ہیں۔ ان لوگوں کو اجر اُسی مقدار میں ملے گا جس مقدار میں انہوں نے مصیبت اٹھائی۔

بیمار کی عیادت بھی بہت بڑا کارِ ثواب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلموں کی عیادت کے لئے بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بھوکوں کو کھانا کھلاؤ' بیماروں کی عیادت کرو اور جو لوگ ناحق قید کر دیئے گئے ہوں ان کی رہائی کی کوشش کرو''۔ (بخاری)

کبھی کبھی کوئی مصیبت یا پریشانی انسان کی اپنی غلطی کی وجہ سے بھی ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں انسان عملی طور پر اپنی غلطی کی اصلاح کرے۔ ہر مصیبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ ﴿مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ ہر مصیبت کو صرف اللہ کے غضب اور قہر کا ظہور ہی نہیں سمجھنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے لئے ان میں خیر اور رحمت کا بڑا سامان ہے۔ ان کے ذریعے گناہوں کی صفائی اور تطہیر ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ کی رحمتیں برستی ہیں' درجات بلند ہوتے ہیں اور اعمال میں کوتاہیوں کی تلافی ہوتی ہے۔

دنیا میں آنے والی تکالیف اور بیماریاں اجر و ثواب کا باعث بنتی ہیں۔ بس شرط یہ ہے کہ آدمی شکوہ شکایت زبان پر نہ لائے' صبر کا مظاہرہ کرے اور اجر کی امید رکھے۔ قیامت کے روز بعض لوگ ایسے بھی ہوں گے کہ ان کے اعمالِ حسنہ بخشش کے لئے کافی نہ ہوں گے' مگر دنیا میں برداشت کی جانے والی تکالیف کا اجر اعمالِ حسنہ کی کمی کو پورا کر دے گا اور حساب کے وقت اُن پر یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ دنیا کی زندگی میں آنے والی مصیبتیں اور بیماریاں اگر نہ ہوتیں تو نجات نہ ہو سکتی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے دن جب ان بندوں کو جو دنیا میں مبتلائے مصائب رہے' ان مصائب کے عوض

اجر وثواب دیا جائے گا تو وہ لوگ جو دنیا میں ہمیشہ آرام وراحت سے رہے حسرت کریں گے کہ کاش دنیا میں ہماری کھالیں قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتیں''۔(ترمذی)

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اندازہ کیجئے کہ ایک آدمی جو صحت کے ایام میں ذکر اذکار اور نیک اعمال کرتا ہے جب کبھی وہ بیمار ہو کر اپنے اعمالِ حسنہ ادا کرنے کے قابل نہ رہے تو اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے اس کو بیماری کے دنوں میں وہی اجر دیتا ہے جو اُسے اعمال حسنہ کرنے پر ملتا تھا۔ یہ اس لئے کہ اگر وہ بندہ بیمار نہ ہوتا تو اپنے اعمال حسنہ کے معمولات پر ضرور عمل پیرا رہتا۔

الغرض دنیاوی زندگی میں بندۂ مؤمن کو پیش آنے والے صدمات' تکالیف یا بیماریاں اس کے لئے درجات کی بلندی' گناہوں کی معافی اور نجات کا ذریعہ بن جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنے کسی بندے کو بغیر کسی عمل کے بھی بخشش سے نواز سکتا ہے مگر بتقاضائے حکمت وہ بندے کی تکالیف اور بیماریوں کو اس کے لئے وسیلۂ نجات بنا دیتا ہے یا پھر کسی دوسرے بندے کی اس کے حق میں کی جانے والی دعا کے طفیل اس کی بخشش کر دیتا ہے۔ بہرحال صبر اور ثبات کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ چنانچہ اسی سے نیکی اور صبر کی توفیق طلب کرنی چاہئے۔

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلاَّ بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

دُکھ اور تکلیف کا اُمید افزا پہلو

تحریر: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

اگر اسلام کو امید کا دین کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا' کیونکہ یہ ایسا ضابطۂ حیات ہے جو اپنے ماننے والوں کو کسی بھی حال میں مایوس نہیں کرتا۔ غربت اور بدحالی میں یہ فراخی اور خوش حالی کی امید دلاتا ہے۔ بیماری میں صحت کی امید کے ساتھ ساتھ گناہوں کے مٹنے کی نوید سناتا ہے۔ گناہگاروں کو توبہ کا راستہ دکھاتا ہے۔ غرض اسلام وہ طرزِ حیات ہے جو کسی کو ایسی صورتِ حال سے دوچار نہیں کرتا جہاں آگے نکلنے کا کوئی راستہ نہ رہ گیا ہو۔

اسلام میں خودکشی حرام ہے۔ اس لئے کہ خودکشی کرنے والا حالات سے اس قدر دل برداشتہ ہو جاتا ہے کہ وہ موت کو زندگی پر ترجیح دیتا ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو ہمیشہ صورت حال کا روشن پہلو دکھاتا ہے اور مایوسی دور کرتا ہے۔

انسانی زندگی میں دکھ سکھ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ آدمی پر بیماری بھی آتی ہے' جو زندگی میں تلخی اور تکلیف کا باعث ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں اسلام حوصلہ دیتا ہے کہ بیماری کی وجہ سے انسان کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مردِ مؤمن کو جو بھی دکھ' بیماری' پریشانی' رنج وغم اور اذیت پہنچتی ہے' یہاں تک کہ اُسے کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان چیزوں کے ذریعے اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے''۔ (بخاری ومسلم) پس بیماری بھی ایک طرح سے رحمت ہے' کیونکہ کوئی فردِ بشر ایسا نہیں جس سے کبھی گناہ کا صدور نہ ہوا ہو۔ یوں ہر شخص کو اللہ کی رحمت کی ضرورت ہے جو اُس کے گناہوں کو مٹا دے۔ چنانچہ بیماری اور مصیبت گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کسی مردِ مؤمن کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے' مرض سے یا اس کے علاوہ' اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اس کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتا ہے جس طرح خزاں رسیدہ درخت اپنے پتے جھاڑ دیتا ہے''۔
(بخاری ومسلم)

ذرا غور کیجئے! جب کوئی بندہ بیمار ہو اور اس کے سامنے اسلام کی یہ تعلیم ہو کہ بیماری کی تکلیف اُس کے لئے گناہوں کے مٹانے کا وسیلہ بن جائے گی تو جہاں اُس کے لئے تکلیف قابل برداشت ہو جائے گی وہاں اس کو ایک گونہ سکون بھی ہوگا کہ اس پر سے گناہوں کا بوجھ اتر رہا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کے بعض ایمان والے بندوں یا ایمان والی بندیوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصائب اور حوادث آتے رہتے ہیں' کبھی اس کی جان پر' کبھی اس کے مال پر' کبھی اس کی اولاد پر (اور اس کے نتیجہ میں اس کے گناہ جھڑتے رہتے ہیں) یہاں تک کہ مرنے کے بعد وہ اللہ کے حضور اس حال میں پہنچتا ہے کہ اس کا ایک گناہ بھی باقی نہیں ہوتا''۔ (جامع ترمذی) بعض لوگ دنیا میں حد سے زیادہ دکھ' تکلیف اور بیماری کا شکار بنتے ہیں۔ ان لوگوں کو اجر اُسی مقدار میں ملے گا جس مقدار میں انہوں نے مصیبت اٹھائی۔

بیمار کی عیادت بھی بہت بڑا کارِ ثواب ہے۔ رسول اللہ ﷺ خود نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلموں کی عیادت کے لئے بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بھوکوں کو کھانا کھلاؤ' بیماروں کی عیادت کرو اور جو لوگ ناحق قید کر دیئے گئے ہوں ان کی رہائی کی کوشش کرو''۔ (بخاری)

کبھی کبھی کوئی مصیبت یا پریشانی انسان کی اپنی غلطی کی وجہ سے بھی ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں انسان عملی طور پر اپنی غلطی کی اصلاح کرے۔ ہر مصیبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ ﴿مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ مصیبت کو صرف اللہ کے غضب اور قہر کا ظہور ہی نہیں سمجھنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے لئے ان میں خیر اور رحمت کا بڑا سامان ہے۔ ان کے ذریعے گناہوں کی صفائی اور تطہیر ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ کی رحمتیں برستی ہیں' درجات بلند ہوتے ہیں اور اعمال میں کوتاہیوں کی تلافی ہوتی ہے۔

دنیا میں آنے والی تکالیف اور بیماریاں اجر و ثواب کا باعث بنتی ہیں۔ بس شرط یہ ہے کہ آدمی شکوہ شکایت زبان پر نہ لائے' صبر کا مظاہرہ کرے اور اجر کی امید رکھے۔ قیامت کے روز بعض لوگ ایسے بھی ہوں گے کہ ان کے اعمالِ حسنہ بخشش کے لئے کافی نہ ہوں گے' مگر دنیا میں برداشت کی جانے والی تکالیف کا اجر اعمالِ حسنہ کی کمی کو پورا کر دے گا اور حساب کے وقت اُن پر یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ دنیا کی زندگی میں آنے والی مصیبتیں اور بیماریاں اگر نہ ہوتیں تو نجات نہ ہو سکتی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن جب ان بندوں کو جو دنیا میں مبتلائے مصائب رہے' ان مصائب کے عوض اجر و ثواب دیا جائے گا تو وہ لوگ جو دنیا میں ہمیشہ آرام و راحت سے رہے حسرت کریں گے کہ کاش دنیا میں ہماری کھالیں قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتیں''۔ (ترمذی)

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اندازہ کیجئے کہ ایک آدمی جو صحت کے ایام میں ذکر اذکار اور نیک اعمال کرتا ہے جب کبھی وہ بیمار ہو کر اپنے اعمالِ حسنہ ادا کرنے کے قابل نہ رہے تو اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے اس کو بیماری کے دنوں میں وہی اجر دیتا ہے جو اُسے اعمال حسنہ کرنے پر ملتا تھا۔ یہ اس لئے کہ اگر وہ بندہ بیمار نہ ہوتا تو اپنے اعمال حسنہ کے معمولات پر ضرور عمل پیرا رہتا۔

الغرض دنیاوی زندگی میں بندۂ مؤمن کو پیش آنے والے صدمات' تکالیف یا بیماریاں اس کے لئے درجات کی بلندی' گناہوں کی معافی اور نجات کا ذریعہ بن جائیں گی۔ اللہ

E:\Ms-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq may05\temp.inp 6/22/2014 4:02 PM PAGE 17 (1,1)

تعالیٰ چاہے تو اپنے کسی بندے کو بغیر کسی عمل کے بھی بخشش سے نواز سکتا ہے مگر بتقاضائے حکمت وہ بندے کی تکالیف اور بیماریوں کو اس کے لئے وسیلۂ نجات بنا دیتا ہے یا پھر کسی دوسرے بندے کی اس کے حق میں کی جانے والی دعا کے طفیل اس کی بخشش کر دیتا ہے۔ بہرحال صبر اور ثبات کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ چنانچہ اسی سے نیکی اور صبر کی توفیق طلب کرنی چاہئے۔

وَمَا تَوْفِيْقِىْ اِلاَّ بِاللّٰهِ الْعَلِىِّ الْعَظِيْمِ

دُکھ اور تکلیف کا اُمید افزا پہلو

تحریر: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

اگر اسلام کو امید کا دین کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا' کیونکہ یہ ایسا ضابطۂ حیات ہے جو اپنے ماننے والوں کو کسی بھی حال میں مایوس نہیں کرتا۔ غربت اور بدحالی میں یہ فراخی اور خوش حالی کی امید دلاتا ہے۔ بیماری میں صحت کی امید کے ساتھ ساتھ گناہوں کے مٹنے کی نوید سناتا ہے۔ گناہگاروں کو توبہ کا راستہ دکھاتا ہے۔ غرض اسلام وہ طرزِ حیات ہے جو کسی کو ایسی صورتِ حال سے دوچار نہیں کرتا جہاں آگے نکلنے کا کوئی راستہ نہ رہ گیا ہو۔

اسلام میں خودکشی حرام ہے۔ اس لئے کہ خودکشی کرنے والا حالات سے اس قدر دل برداشتہ ہو جاتا ہے کہ وہ موت کو زندگی پر ترجیح دیتا ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو ہمیشہ صورت حال کا روشن پہلو دکھاتا ہے اور مایوسی دور کرتا ہے۔

انسانی زندگی میں دکھ سکھ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ آدمی پر بیماری بھی آتی ہے' جو زندگی میں تلخی اور تکلیف کا باعث ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں اسلام حوصلہ دیتا ہے کہ بیماری کی وجہ سے انسان کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مردِ مؤمن کو جو بھی دکھ' بیماری' پریشانی' رنج و غم اور اذیت پہنچتی ہے' یہاں تک کہ اُسے کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان چیزوں کے ذریعے اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے''۔ (بخاری و مسلم) پس بیماری بھی ایک طرح سے رحمت ہے' کیونکہ کوئی فردِ بشر ایسا

نہیں جس سے کبھی گناہ کا صدور نہ ہوا ہو۔ یوں ہر شخص کو اللہ کی رحمت کی ضرورت ہے جو اُس کے گناہوں کو مٹا دے۔ چنانچہ بیماری اور مصیبت گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کسی مردِ مؤمن کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے' مرض سے یا اس کے علاوہ' اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اس کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتا ہے جس طرح خزاں رسیدہ درخت اپنے پتے جھاڑ دیتا ہے''۔
(بخاری و مسلم)

ذرا غور کیجئے! جب کوئی بندہ بیمار ہو اور اس کے سامنے اسلام کی یہ تعلیم ہو کہ بیماری کی تکلیف اُس کے لئے گناہوں کے مٹانے کا وسیلہ بن جائے گی تو جہاں اُس کے لئے تکلیف قابل برداشت ہو جائے گی وہاں اس کو ایک گونہ سکون بھی ہوگا کہ اس پر سے گناہوں کا بوجھ اتر رہا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے بعض ایمان والے بندوں یا ایمان والی بندیوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصائب اور حوادث آتے رہتے ہیں' کبھی اس کی جان پر' کبھی اس کے مال پر' کبھی اس کی اولاد پر (اور اس کے نتیجہ میں اس کے گناہ جھڑتے رہتے ہیں) یہاں تک کہ مرنے کے بعد وہ اللہ کے حضور اس حال میں پہنچتا ہے کہ اس کا ایک گناہ بھی باقی نہیں ہوتا''۔ (جامع ترمذی) بعض لوگ دنیا میں حد سے زیادہ دکھ' تکلیف اور بیماری کا شکار بنتے ہیں۔ ان لوگوں کو اجر اُسی مقدار میں ملے گا جس مقدار میں انہوں نے مصیبت اٹھائی۔

بیمار کی عیادت بھی بہت بڑا کارِ ثواب ہے۔ رسول اللہ ﷺ خود نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلموں کی عیادت کے لئے بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ابو موسیٰ اشعری ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بھوکوں کو کھانا کھلاؤ' بیماروں کی عیادت کرو اور جو لوگ ناحق قید کر دیئے گئے ہوں ان کی رہائی کی کوشش کرو''۔ (بخاری)

کبھی کبھی کوئی مصیبت یا پریشانی انسان کی اپنی غلطی کی وجہ سے بھی ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں انسان عملی طور پر اپنی غلطی کی اصلاح کرے۔ ہر مصیبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ ﴿مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ چنانچہ مصیبت کو صرف اللہ کے غضب اور قہر کا ظہور ہی نہیں سمجھنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے لئے ان میں خیر اور رحمت کا بڑا سامان ہے۔ ان کے ذریعے گناہوں کی صفائی اور تطہیر ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ کی رحمتیں برستی ہیں'

E:\Ms-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq may05\temp.inp 6/22/2014 4:02 PM PAGE 18 (1,1)

درجات بلند ہوتے ہیں اور اعمال میں کوتاہیوں کی تلافی ہوتی ہے۔

دنیا میں آنے والی تکالیف اور بیماریاں اجر وثواب کا باعث بنتی ہیں۔ بس شرط یہ ہے کہ آدمی شکوہ شکایت زبان پر نہ لائے' صبر کا مظاہرہ کرے اور اجر کی امید رکھے۔ قیامت کے روز بعض لوگ ایسے بھی ہوں گے کہ ان کے اعمالِ حسنہ بخشش کے لئے کافی نہ ہوں گے' مگر دنیا میں برداشت کی جانے والی تکالیف کا اجر اعمالِ حسنہ کی کمی کو پورا کر دے گا اور حساب کے وقت اُن پر یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ دنیا کی زندگی میں آنے والی مصیبتیں اور بیماریاں اگر نہ ہوتیں تو نجات نہ ہو سکتی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''قیامت کے دن جب ان بندوں کو جو دنیا میں مبتلائے مصائب رہے' ان مصائب کے عوض اجر وثواب دیا جائے گا تو وہ لوگ جو دنیا میں ہمیشہ آرام وراحت سے رہے حسرت کریں گے کہ کاش دنیا میں ہماری کھالیں قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتیں''۔ (ترمذی)

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اندازہ کیجئے کہ ایک آدمی جو صحت کے ایام میں ذکر اذکار اور نیک اعمال کرتا ہے جب کبھی وہ بیمار ہو کر اپنے اعمالِ حسنہ ادا کرنے کے قابل نہ رہے تو اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے اس کو بیماری کے دنوں میں وہی اجر دیتا ہے جو اُسے اعمال حسنہ کرنے پر ملتا تھا۔ یہ اس لئے کہ اگر وہ بندہ بیمار نہ ہوتا تو اپنے اعمال حسنہ کے معمولات پر ضرور عمل پیرا رہتا۔

الغرض دنیاوی زندگی میں بندۂ مؤمن کو پیش آنے والے صدمات' تکالیف یا بیماریاں اس کے لئے درجات کی بلندی' گناہوں کی معافی اور نجات کا ذریعہ بن جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنے کسی بندے کو بغیر کسی عمل کے بھی بخشش سے نواز سکتا ہے مگر بتقاضائے حکمت وہ بندے کی تکالیف اور بیماریوں کو اس کے لئے وسیلۂ نجات بنا دیتا ہے یا پھر کسی دوسرے بندے کی اس کے حق میں کی جانے والی دعا کے طفیل اس کی بخشش کر دیتا ہے۔ بہرحال صبر اور ثبات کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ چنانچہ اسی سے نیکی اور صبر کی توفیق طلب کرنی چاہئے۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

دُکھ اور تکلیف کا اُمید

افزا پہلو

تحریر: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

اگر اسلام کو امید کا دین کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا' کیونکہ یہ ایسا ضابطۂ حیات ہے جو اپنے ماننے والوں کو کسی بھی حال میں مایوس نہیں کرتا۔ غربت اور بدحالی میں یہ فراخی اور خوش حالی کی امید دلاتا ہے۔ بیماری میں صحت کی امید کے ساتھ ساتھ گناہوں کے مٹنے کی نوید سناتا ہے۔ گناہگاروں کو توبہ کا راستہ دکھاتا ہے۔ غرض اسلام وہ طرزِ حیات ہے جو کسی کو ایسی صورتِ حال سے دوچار نہیں کرتا جہاں آگے نکلنے کا کوئی راستہ نہ رہ گیا ہو۔

اسلام میں خودکشی حرام ہے۔ اس لئے کہ خودکشی کرنے والا حالات سے اس قدر دل برداشتہ ہو جاتا ہے کہ وہ موت کو زندگی پر ترجیح دیتا ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو ہمیشہ صورت حال کا روشن پہلو دکھاتا ہے اور مایوسی دور کرتا ہے۔

انسانی زندگی میں دکھ سکھ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ آدمی پر بیماری بھی آتی ہے' جو زندگی میں تلخی اور تکلیف کا باعث ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں اسلام حوصلہ دیتا ہے کہ بیماری کی وجہ سے انسان کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مردِ مؤمن کو جو بھی دکھ' بیماری' پریشانی' رنج وغم اور اذیت پہنچتی ہے' یہاں تک کہ اُسے کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان چیزوں کے ذریعے اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے''۔ (بخاری ومسلم) پس بیماری بھی ایک طرح سے رحمت ہے' کیونکہ کوئی فردِ بشر ایسا نہیں جس سے کبھی گناہ کا صدور نہ ہوا ہو۔ یوں ہر شخص کو اللہ کی رحمت کی ضرورت ہے جو اُس کے گناہوں کو مٹا دے۔ چنانچہ بیماری اور مصیبت گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کسی مردِ مؤمن کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے' مرض سے یا اس کے علاوہ' اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اس کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتا ہے جس طرح خزاں رسیدہ درخت اپنے پتے جھاڑ دیتا ہے''۔
(بخاری ومسلم)

ذرا غور کیجئے! جب کوئی بندہ بیمار ہو اور اس کے سامنے اسلام کی یہ تعلیم ہو کہ بیماری کی تکلیف اُس کے لئے گناہوں کے مٹانے کا وسیلہ بن جائے گی تو جہاں اُس کے لئے تکلیف

قابل برداشت ہو جائے گی وہاں اس کو ایک گونہ سکون بھی ہوگا کہ اس پر سے گناہوں کا بوجھ اتر رہا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے بعض ایمان والے بندوں یا ایمان والی بندیوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصائب اور حوادث آتے رہتے ہیں' کبھی اس کی جان پر' کبھی اس کے مال پر' کبھی اس کی اولاد پر (اور اس کے نتیجہ میں اس کے گناہ جھڑتے رہتے ہیں) یہاں تک کہ مرنے کے بعد وہ اللہ کے حضور اس حال میں پہنچتا ہے کہ اس کا ایک گناہ بھی باقی نہیں ہوتا''۔ (جامع ترمذی) بعض لوگ دنیا میں حد سے زیادہ دکھ' تکلیف اور بیماری کا شکار بنتے ہیں۔ ان لوگوں کو اجر اُسی مقدار میں ملے گا جس مقدار میں انہوں نے مصیبت اٹھائی۔

بیمار کی عیادت بھی بہت بڑا کارِ ثواب ہے۔ رسول اللہ ﷺ خود نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلموں کی عیادت کے لئے بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ابو موسیٰ اشعری ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بھوکوں کو کھانا کھلاؤ' بیماروں کی عیادت کرو اور جو لوگ ناحق قید کر دیئے گئے ہوں ان کی رہائی کی کوشش کرو''۔ (بخاری)

کبھی کبھی کوئی مصیبت یا پریشانی انسان کی اپنی غلطی کی وجہ سے بھی ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں انسان عملی طور پر اپنی غلطی کی اصلاح کرے۔ ہر مصیبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ ﴿مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ ہر مصیبت کو صرف اللہ کے غضب اور قہر کا ظہور ہی نہیں سمجھنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے لئے ان میں خیر اور رحمت کا بڑا سامان ہے۔ ان کے ذریعے گناہوں کی صفائی اور تطہیر ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ کی رحمتیں برستی ہیں' درجات بلند ہوتے ہیں اور اعمال میں کوتاہیوں کی تلافی ہوتی ہے۔

دنیا میں آنے والی تکالیف اور بیماریاں اجر و ثواب کا باعث بنتی ہیں۔ بس شرط یہ ہے کہ آدمی شکوہ شکایت زبان پر نہ لائے' صبر کا مظاہرہ کرے اور اجر کی امید رکھے۔ قیامت کے روز بعض لوگ ایسے بھی ہوں گے کہ ان کے اعمالِ حسنہ بخشش کے لئے کافی نہ ہوں گے' مگر دنیا میں برداشت کی جانے والی تکالیف کا اجر اعمالِ حسنہ کی کمی کو پورا کر دے گا اور حساب کے وقت اُن پر یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ دنیا کی زندگی میں آنے والی مصیبتیں اور بیماریاں اگر نہ ہوتیں تو نجات نہ ہو سکتی۔ حضرت جابر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن جب ان بندوں کو جو دنیا میں مبتلائے مصائب رہے' ان مصائب کے عوض

اجر وثواب دیا جائے گا تو وہ لوگ جو دنیا میں ہمیشہ آرام وراحت سے رہے حسرت کریں گے کہ کاش دنیا میں ہماری کھالیں قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتیں''۔(ترمذی)

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اندازہ کیجئے کہ ایک آدمی جو صحت کے ایام میں ذکر اذکار اور نیک اعمال کرتا ہے جب کبھی وہ بیمار ہو کر اپنے اعمالِ حسنہ ادا کرنے کے قابل نہ رہے تو اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے اس کو بیماری کے دنوں میں وہی اجر دیتا ہے جو اُسے اعمال حسنہ کرنے پر ملتا تھا۔ یہ اس لئے کہ اگر وہ بندہ بیمار نہ ہوتا تو اپنے اعمال حسنہ کے معمولات پر ضرور عمل پیرا رہتا۔

الغرض دنیاوی زندگی میں بندۂ مؤمن کو پیش آنے والے صدمات' تکالیف یا بیماریاں اس کے لئے درجات کی بلندی' گناہوں کی معافی اور نجات کا ذریعہ بن جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنے کسی بندے کو بغیر کسی عمل کے بھی بخشش سے نواز سکتا ہے مگر بتقاضائے حکمت وہ بندے کی تکالیف اور بیماریوں کو اس کے لئے وسیلۂ نجات بنا دیتا ہے یا پھر کسی دوسرے بندے کی اس کے حق میں کی جانے والی دعا کے طفیل اس کی بخشش کر دیتا ہے۔ بہرحال صبر اور ثبات کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ چنانچہ اسی سے نیکی اور صبر کی توفیق طلب کرنی چاہئے۔

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلاَّ بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

دُکھ اور تکلیف کا اُمید افزا پہلو

تحریر: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

اگر اسلام کو امید کا دین کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا' کیونکہ یہ ایسا ضابطۂ حیات ہے جو اپنے ماننے والوں کو کسی بھی حال میں مایوس نہیں کرتا۔ غربت اور بدحالی میں یہ فراخی اور خوش حالی کی امید دلاتا ہے۔ بیماری میں صحت کی امید کے ساتھ ساتھ گناہوں کے مٹنے کی نوید سناتا ہے۔ گناہگاروں کو توبہ کا راستہ دکھاتا ہے۔ غرض اسلام وہ طرزِ حیات ہے جو کسی کو ایسی صورتِ حال سے دوچار نہیں کرتا جہاں آگے نکلنے کا کوئی راستہ نہ رہ گیا ہو۔

اسلام میں خودکشی حرام ہے۔ اس لئے کہ خودکشی کرنے والا حالات سے اس قدر دل برداشتہ ہو جاتا ہے کہ وہ موت کو زندگی پر ترجیح دیتا ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو ہمیشہ صورت حال کا روشن پہلو دکھاتا ہے اور مایوسی دور کرتا ہے۔

انسانی زندگی میں دکھ سکھ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ آدمی پر بیماری بھی آتی ہے' جو زندگی میں تلخی اور تکلیف کا باعث ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں اسلام حوصلہ دیتا ہے کہ بیماری کی وجہ سے انسان کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مردِ مؤمن کو جو بھی دکھ' بیماری' پریشانی' رنج وغم اور اذیت پہنچتی ہے' یہاں تک کہ اُسے کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان چیزوں کے ذریعے اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے''۔ (بخاری ومسلم) پس بیماری بھی ایک طرح سے رحمت ہے' کیونکہ کوئی فردِ بشر ایسا نہیں جس سے کبھی گناہ کا صدور نہ ہوا ہو۔ یوں ہر شخص کو اللہ کی رحمت کی ضرورت ہے جو اُس کے گناہوں کو مٹا دے۔ چنانچہ بیماری اور مصیبت گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کسی مردِ مؤمن کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے' مرض سے یا اس کے علاوہ' اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اس کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتا ہے جس طرح خزاں رسیدہ درخت اپنے پتے جھاڑ دیتا ہے''۔
(بخاری ومسلم)

ذرا غور کیجئے! جب کوئی بندہ بیمار ہو اور اس کے سامنے اسلام کی یہ تعلیم ہو کہ بیماری کی تکلیف اُس کے لئے گناہوں کے مٹانے کا وسیلہ بن جائے گی تو جہاں اُس کے لئے تکلیف قابل برداشت ہو جائے گی وہاں اس کو ایک گونہ سکون بھی ہوگا کہ اس پر سے گناہوں کا بوجھ اتر رہا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کے بعض ایمان والے بندوں یا ایمان والی بندیوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصائب اور حوادث آتے رہتے ہیں' کبھی اس کی جان پر' کبھی اس کے مال پر' کبھی اس کی اولاد پر (اور اس کے نتیجہ میں اس کے گناہ جھڑتے رہتے ہیں) یہاں تک کہ مرنے کے بعد وہ اللہ کے حضور اس حال میں پہنچتا ہے کہ اس کا ایک گناہ بھی باقی نہیں ہوتا''۔ (جامع ترمذی) بعض لوگ دنیا میں حد سے زیادہ دکھ' تکلیف اور بیماری کا شکار بنتے ہیں۔ ان لوگوں کو اجر اُسی مقدار میں ملے گا جس مقدار میں انہوں نے مصیبت اٹھائی۔

بیمار کی عیادت بھی بہت بڑا کارِ ثواب ہے۔ رسول اللہ ﷺ خود نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلموں کی عیادت کے لئے بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بھوکوں کو کھانا کھلاؤ' بیماروں کی عیادت کرو اور جو لوگ ناحق قید کر دیئے گئے ہوں ان کی رہائی کی کوشش کرو''۔ (بخاری)

کبھی کبھی کوئی مصیبت یا پریشانی انسان کی اپنی غلطی کی وجہ سے بھی ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں انسان عملی طور پر اپنی غلطی کی اصلاح کرے۔ ہر مصیبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ ﴿مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ مصیبت کو صرف اللہ کے غضب اور قہر کا ظہور ہی نہیں سمجھنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے لئے ان میں خیر اور رحمت کا بڑا سامان ہے۔ ان کے ذریعے گناہوں کی صفائی اور تطہیر ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ کی رحمتیں برستی ہیں' درجات بلند ہوتے ہیں اور اعمال میں کوتاہیوں کی تلافی ہوتی ہے۔

دنیا میں آنے والی تکالیف اور بیماریاں اجر و ثواب کا باعث بنتی ہیں۔ بس شرط یہ ہے کہ آدمی شکوہ شکایت زبان پر نہ لائے' صبر کا مظاہرہ کرے اور اجر کی امید رکھے۔ قیامت کے روز بعض لوگ ایسے بھی ہوں گے کہ ان کے اعمالِ حسنہ بخشش کے لئے کافی نہ ہوں گے' مگر دنیا میں برداشت کی جانے والی تکالیف کا اجر اعمالِ حسنہ کی کمی کو پورا کر دے گا اور حساب کے وقت اُن پر یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ دنیا کی زندگی میں آنے والی مصیبتیں اور بیماریاں اگر نہ ہوتیں تو نجات نہ ہو سکتی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن جب ان بندوں کو جو دنیا میں مبتلائے مصائب رہے' ان مصائب کے عوض اجر و ثواب دیا جائے گا تو وہ لوگ جو دنیا میں ہمیشہ آرام و راحت سے رہے حسرت کریں گے کہ کاش دنیا میں ہماری کھالیں قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتیں''۔ (ترمذی)

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اندازہ کیجئے کہ ایک آدمی جو صحت کے ایام میں ذکر اذکار اور نیک اعمال کرتا ہے جب کبھی وہ بیمار ہو کر اپنے اعمالِ حسنہ ادا کرنے کے قابل نہ رہے تو اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے اس کو بیماری کے دنوں میں وہی اجر دیتا ہے جو اُسے اعمال حسنہ کرنے پر ملتا تھا۔ یہ اس لئے کہ اگر وہ بندہ بیمار نہ ہوتا تو اپنے اعمال حسنہ کے معمولات پر ضرور عمل پیرا رہتا۔

الغرض دنیاوی زندگی میں بندۂ مؤمن کو پیش آنے والے صدمات' تکالیف یا بیماریاں اس کے لئے درجات کی بلندی' گناہوں کی معافی اور نجات کا ذریعہ بن جائیں گی۔ اللہ

تعالیٰ چاہے تو اپنے کسی بندے کو بغیر کسی عمل کے بھی بخشش سے نواز سکتا ہے مگر بتقاضائے حکمت وہ بندے کی تکالیف اور بیماریوں کو اس کے لئے وسیلۂ نجات بنا دیتا ہے یا پھر کسی دوسرے بندے کی اس کے حق میں کی جانے والی دعا کے طفیل اس کی بخشش کر دیتا ہے۔ بہرحال صبر اور ثبات کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ چنانچہ اسی سے نیکی اور صبر کی توفیق طلب کرنی چاہئے۔

وَمَا تَوۡفِیۡقِیۡ اِلاَّ بِاللّٰہِ الۡعَلِیِّ الۡعَظِیۡمِ

دُکھ اور تکلیف کا اُمید افزا پہلو

تحریر: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

اگر اسلام کو امید کا دین کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا' کیونکہ یہ ایسا ضابطۂ حیات ہے جو اپنے ماننے والوں کو کسی بھی حال میں مایوس نہیں کرتا۔ غربت اور بدحالی میں یہ فراخی اور خوش حالی کی امید دلاتا ہے۔ بیماری میں صحت کی امید کے ساتھ ساتھ گناہوں کے مٹنے کی نوید سناتا ہے۔ گناہگاروں کو توبہ کا راستہ دکھاتا ہے۔ غرض اسلام وہ طرزِ حیات ہے جو کسی کو ایسی صورتِ حال سے دوچار نہیں کرتا جہاں آگے نکلنے کا کوئی راستہ نہ رہ گیا ہو۔

اسلام میں خودکشی حرام ہے۔ اس لئے کہ خودکشی کرنے والا حالات سے اس قدر دل برداشتہ ہو جاتا ہے کہ وہ موت کو زندگی پر ترجیح دیتا ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو ہمیشہ صورت حال کا روشن پہلو دکھاتا ہے اور مایوسی دور کرتا ہے۔

انسانی زندگی میں دکھ سکھ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ آدمی پر بیماری بھی آتی ہے' جو زندگی میں تلخی اور تکلیف کا باعث ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں اسلام حوصلہ دیتا ہے کہ بیماری کی وجہ سے انسان کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مردِ مؤمن کو جو بھی دکھ' بیماری' پریشانی' رنج و غم اور اذیت پہنچتی ہے' یہاں تک کہ اُسے کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان چیزوں کے ذریعے اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے''۔ (بخاری و مسلم) پس بیماری بھی ایک طرح سے رحمت ہے' کیونکہ کوئی فردِ بشر ایسا

نہیں جس سے کبھی گناہ کا صدور نہ ہوا ہو۔ یوں ہر شخص کو اللہ کی رحمت کی ضرورت ہے جو اُس کے گناہوں کو مٹا دے۔ چنانچہ بیماری اور مصیبت گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کسی مردِ مؤمن کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے' مرض سے یا اس کے علاوہ' اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اس کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتا ہے جس طرح خزاں رسیدہ درخت اپنے پتے جھاڑ دیتا ہے''۔
(بخاری و مسلم)

ذرا غور کیجئے! جب کوئی بندہ بیمار ہو اور اس کے سامنے اسلام کی یہ تعلیم ہو کہ بیماری کی تکلیف اُس کے لئے گناہوں کے مٹانے کا وسیلہ بن جائے گی تو جہاں اُس کے لئے تکلیف قابل برداشت ہو جائے گی وہاں اس کو ایک گونہ سکون بھی ہوگا کہ اس پر سے گناہوں کا بوجھ اتر رہا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے بعض ایمان والے بندوں یا ایمان والی بندیوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصائب اور حوادث آتے رہتے ہیں' کبھی اس کی جان پر' کبھی اس کے مال پر' کبھی اس کی اولاد پر (اور اس کے نتیجہ میں اس کے گناہ جھڑتے رہتے ہیں) یہاں تک کہ مرنے کے بعد وہ اللہ کے حضور اس حال میں پہنچتا ہے کہ اس کا ایک گناہ بھی باقی نہیں ہوتا''۔ (جامع ترمذی) بعض لوگ دنیا میں حد سے زیادہ دکھ' تکلیف اور بیماری کا شکار بنتے ہیں۔ ان لوگوں کو اجر اُسی مقدار میں ملے گا جس مقدار میں انہوں نے مصیبت اٹھائی۔

بیمار کی عیادت بھی بہت بڑا کارِ ثواب ہے۔ رسول اللہ ﷺ خود نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلموں کی عیادت کے لئے بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ابو موسیٰ اشعری ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بھوکوں کو کھانا کھلاؤ' بیماروں کی عیادت کرو اور جو لوگ ناحق قید کر دیئے گئے ہوں ان کی رہائی کی کوشش کرو''۔ (بخاری)

کبھی کبھی کوئی مصیبت یا پریشانی انسان کی اپنی غلطی کی وجہ سے بھی ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں انسان عملی طور پر اپنی غلطی کی اصلاح کرے۔ ہر مصیبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ ﴿مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ چنانچہ مصیبت کو صرف اللہ کے غضب اور قہر کا ظہور ہی نہیں سمجھنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے لئے ان میں خیر اور رحمت کا بڑا سامان ہے۔ ان کے ذریعے گناہوں کی صفائی اور تطہیر ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ کی رحمتیں برستی ہیں'

E:\Ms-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq may05\temp.inp 8/22/2014 4:02 PM PAGE 22 (1,1)

درجات بلند ہوتے ہیں اور اعمال میں کوتاہیوں کی تلافی ہوتی ہے۔

دنیا میں آنے والی تکالیف اور بیماریاں اجر وثواب کا باعث بنتی ہیں۔ بس شرط یہ ہے کہ آدمی شکوہ شکایت زبان پر نہ لائے‘ صبر کا مظاہرہ کرے اور اجر کی امید رکھے۔ قیامت کے روز بعض لوگ ایسے بھی ہوں گے کہ ان کے اعمالِ حسنہ بخشش کے لئے کافی نہ ہوں گے‘ مگر دنیا میں برداشت کی جانے والی تکالیف کا اجر اعمالِ حسنہ کی کمی کو پورا کر دے گا اور حساب کے وقت اُن پر یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ دنیا کی زندگی میں آنے والی مصیبتیں اور بیماریاں اگر نہ ہوتیں تو نجات نہ ہو سکتی۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: ’’قیامت کے دن جب ان بندوں کو جو دنیا میں مبتلائے مصائب رہے‘ ان مصائب کے عوض اجر وثواب دیا جائے گا تو وہ لوگ جو دنیا میں ہمیشہ آرام وراحت سے رہے حسرت کریں گے کہ کاش دنیا میں ہماری کھالیں قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتیں‘‘۔ (ترمذی)

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اندازہ کیجئے کہ ایک آدمی جو صحت کے ایام میں ذکر اذکار اور نیک اعمال کرتا ہے جب کبھی وہ بیمار ہو کر اپنے اعمالِ حسنہ ادا کرنے کے قابل نہ رہے تو اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے اس کو بیماری کے دنوں میں وہی اجر دیتا ہے جو اُسے اعمال حسنہ کرنے پر ملتا تھا۔ یہ اس لئے کہ اگر وہ بندہ بیمار نہ ہوتا تو اپنے اعمال حسنہ کے معمولات پر ضرور عمل پیرا رہتا۔

الغرض دنیاوی زندگی میں بندۂ مؤمن کو پیش آنے والے صدمات‘ تکالیف یا بیماریاں اس کے لئے درجات کی بلندی‘ گناہوں کی معافی اور نجات کا ذریعہ بن جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنے کسی بندے کو بغیر کسی عمل کے بھی بخشش سے نواز سکتا ہے مگر بتقاضائے حکمت وہ بندے کی تکالیف اور بیماریوں کو اس کے لئے وسیلۂ نجات بنا دیتا ہے یا پھر کسی دوسرے بندے کی اس کے حق میں کی جانے والی دعا کے طفیل اس کی بخشش کر دیتا ہے۔ بہرحال صبر اور ثبات کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ چنانچہ اسی سے نیکی اور صبر کی توفیق طلب کرنی چاہئے۔

وَمَا تَوْفِيْقِىْ اِلاَّ بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

جدید دنیائے اسلام

قسط وار سلسلہ (19)

بوسنیا و ہرزیگووینا

Bosnia and Herzegovina

تحقیق و تحریر: سید قاسم محمود

بوسنیا و ہرزیگووینا : ایک نظر میں

سرکاری نام: فیڈریشن آف بوسنیا اینڈ ہرزیگووینا

صدر: تین بڑی نسلی پارٹیوں میں سے اپنی باری پر: ڈریگن کووِک (2003ء)

وزیراعظم: عدنان ترزک (2002ء)

رقبہ: 19 ہزار 741 مربع میل (51 ہزار 129 مربع کلومیٹر)

آبادی: اندازاً 40 لاکھ

سالانہ شرح افزائش: 0.15 فی صد

گنجانی آبادی: 202 فی مربع میل

دارالحکومت: ساراجیو۔ آبادی تقریباً 6 لاکھ

کرنسی: مارکا

زبانیں: پہلے جو مشترک زبان بولی جاتی تھی وہ ''سربوکروٹی'' کہلاتی تھی' لیکن اب نئے جمہوری انقلاب کے بعد بولنے والے کے نسلی و مذہبی و سیاسی تعلق کے حوالے سے سربی یا کروٹی یا بوسنی کہلاتی ہے' جس کا رسم الخط لاطینی ہے۔

نسلیں: سرب 37 فی صد۔ بوسنی 48 فیصد۔ کروٹ 14 فی صد' اور دیگر

مذاہب: مسلمان 45 فی صد۔ آرتھوڈوکس عیسائی 30 فی صد۔ کیتھولک 15 فی صد۔ پروٹسٹنٹ عیسائی 4 فی صد' اور دیگر

شرح خواندگی: 94 فی صد

مجموعی قومی پیداوار: 7 ارب ڈالر

فی کس آمدنی: ایک ہزار 800 ڈالر سالانہ

افراطِ زر: 5 فی صد

بے روزگاری: 40 فیصد

قابلِ کاشت رقبہ: 10 فیصد

زراعت: گندم' پھل' سبزیاں' مویشی

صنعت و حرفت: فولاد' کوئلہ' کچا لوہا' جست' بوکسائٹ' گاڑیاں جوڑنے کی صنعت' پارچہ بافی' تمباکو کی مصنوعات' لکڑی کا فرنیچر' ٹینک اور ہوائی جہاز جوڑنے کی صنعت' تیل کی صفائی' گھریلو اشیائے صرف

معدنیات: کوئلہ' لوہا' بوکسائٹ' مینگانیز' تانبا' کرومیم

برآمدات: تقریباً ایک ارب ڈالر سالانہ

درآمدات: تقریباً تین ارب ڈالر سالانہ

بڑے بڑے تجارتی ساتھی: کروٹیا' سوئٹزرلینڈ' اٹلی' جرمنی' سلووینیا

بوسنیا و ہرزیگووینا

جزیرہ نمائے بلقان میں واقع ایک آزاد اور خودمختار مسلم اکثریتی جمہوری ملک' جو اقوام متحدہ کا رکن ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی سربراہ کانفرنس کی تنظیم (او آئی سی) کا بھی رکن ہے۔ جزیرہ نمائے بلقان جنوب مشرقی یورپ میں دریائے ڈینیوب اور دریائے ساوا کے جنوبی جانب پھیلا ہوا' بحیرۂ اسود

(مشرق)، بحیرۂ باسفورس، بحیرۂ مارمورا، درِدانیال، بحیرۂ ابجہ (جنوب)، بحیرۂ آیونی اور بحیرۂ ادریاتی (مغرب) سے گھرا ہوا ہے۔ یہ جمہوریہ یوگوسلاویہ کے مغربی اور زیادہ تر کوہستانی خطے کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس میں معدنی ذخائر، جنگلات اور آبی طاقت بکثرت ہے۔ شمال میں بوسنیا کا علاقہ ہے جو زیادہ تر پہاڑی ہے اور گھنے جنگلات سے گھرا ہوا ہے۔ دریائے نرتوا کے طاس سمیت، جنوبی علاقے کو ہرزیگووینا کا نام دیا جاتا ہے۔ بوسنیا نامی دریا کے منبع اور بالائی طاس کے اردگرد کے علاقے کو زمانۂ قدیم سے بوسنہ کہا جاتا ہے۔ ہرزیگووینا کی 20 کلومیٹر کی ایک ساحلی پٹی بحیرۂ ادریاتی (Adriatic sea) پر پھیلی ہوئی ہے جس میں کوئی بندرگاہ نہیں ہے۔

تاریخی پس منظر

چاروں طرف سے یورپی عیسائیوں کے نرغے میں محصور اس چھوٹے سے مسلم ملک میں اسلام کیونکر پھیلا اور اسلام قبول کرنے کے بعد نومسلموں نے اپنا اسلامی تشخص کیونکر برقرار رکھا؟ ہمارا اصل موضوع یہی ہے۔ لیکن اس کی طرف رجوع کرنے سے پہلے اس ملک کا تاریخی و سیاسی پس منظر معلوم ہونا ضروری ہے۔

سلطنتِ روما کے زمانے ہی سے بلقانی ریاستیں مختلف مذاہب اور تہذیبوں کے تصادم کا نشانہ بنی رہی ہیں۔ پڑوسی سلطنتوں سے صدیوں کے روابط کی بنیاد پر مختلف مذاہب اور تہذیبوں کے میل جول کے نتیجے میں اس خطے میں تین نسلی گروپ وجود میں آئے ہیں: بوسنی، کروٹ اور سرب۔ یہ تینوں نسلی گروپ لب و لہجے میں تھوڑے بہت اختلاف کے ساتھ ایک ہی زبان بولتے رہے ہیں جسے چند سال پہلے تک ''سربی کروٹ'' زبان کہتے تھے، لیکن اب اسے عرفِ عام میں ''بوسنی'' کہا جانے لگا ہے۔

زمانۂ قدیم میں اس علاقے کو پہلی اور دوسری صدی قبل مسیح میں رومیوں نے مفتوح کر کے صوبہ ڈالمیشیا میں ضم کر لیا۔ جب چوتھی اور پانچویں صدی عیسوی میں سلطنت روما زوال آمادہ ہونے لگی اور بیرونی ممالک کے حملے عام ہو گئے تو جرمن گاتھوں نے اس علاقے کو اپنے تسلط میں کر لیا۔ چھٹی صدی عیسوی میں بازنطینی سلطنت نے قبضہ کر لیا۔ ساتویں صدی کے دوران میں سلافیوں نے بوسنیا و ہرزیگووینا کے شمال مشرق سے چڑھائیاں شروع کیں۔ 1200ء میں اس علاقے کے لوگوں نے ہنگری سے آزادی حاصل کی اور آئندہ ڈھائی سو سال تک آزاد و خودمختار مملکت کی حیثیت قائم رہی۔

چودھویں صدی میں جب یہاں اسلام کا ظہور ہوا تو اُس وقت سے لے کر آج تک لوگوں نے اپنا اسلامی تشخص قائم و برقرار رکھا ہے، حالانکہ یہاں کے مسلمان پڑوسی عیسائی ریاستوں کے مابین اس طرح رہتے ہیں جیسے دانتوں کے درمیان زبان۔ یہاں اسلام ترکی کی خلافتِ عثمانیہ کے قیام و استحکام

سے وابستہ ہے۔ ترکوں نے بوسنیا پر پہلا حملہ 1386ء میں شاہ تورتکو کے عہد میں کیا۔ دوسرا حملہ 1388ء میں کیا گیا' لیکن ترکوں کو شکست اٹھانا پڑی۔ دوسرے ہی سال بوسنیا کی فوج نے سربیا کے حاکم لازار کی قیادت میں جنگِ قوصوہ میں حصہ لیا۔ جنگ کے دوران میں سلطان مراد کو بہت شدید زخم آیا' جو جان لیوا ثابت ہوا' لیکن شہزادہ بایزید فتح پانے اور ڈیوک لازار کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس واقعے کے بعد ڈیوک کے جانشینوں نے ترکوں کی سیادت قبول کر لی۔ سربیا کے باجگزار ہو جانے سے بوسنیا کی حیثیت اور بھی کمزور ہوگئی اور اس کے بیشتر حصے پر آزاد امراء کا قبضہ ہو گیا۔

1391ء۔ جب ترکوں نے سکوب فتح کیا تو ایک سرحدی علاقہ وجود میں آیا' جس کے ڈانڈے بوسنیا اور سربیا سے ملتے تھے۔ 1420ء میں جب شاہ ترتکو تانی نے اپنی تخت نشینی کے کچھ عرصہ بعد' ترک مسلمانوں کی سیادت تسلیم کر لی تو انہوں نے بوسنیا کے بادشاہوں کو بھی خراج ادا کرنے کا پابند کر لیا۔ ترکوں کا اثر آہستہ آہستہ بڑھتا چلا گیا۔ 1462ء میں جب بوسنیا کے بادشاہ نے خراج دینے سے انکار کر دیا تو ترکی فوج نے حملہ کر کے بوسنیا پر قبضہ کر لیا' لیکن تھوڑے عرصے کے بعد ہنگری کے بادشاہ نے بوسنیا پر چڑھائی کر کے بوسنیا کا ایک حصہ ہنگری میں شامل کر لیا۔

بوسنیا کے پہلے سنجاق (صوبے) کا گورنر بے محمد بے منت اوغلو تھا۔ 1469ء میں ہرزیگووینا کی سنجاق کی بنیاد پڑی اور اس کا بقیہ حصہ ترکوں نے 1483ء میں فتح کیا۔ بوسنیا کی سنجاق کا صدر مقام سراجیو میں تھا' جہاں سولہویں صدی کے وسط میں گورنر بے غازی خسرو نے نہایت شاندار مساجد اور عمارات تعمیر کرائیں۔ 1520ء میں خسرو وہاں حاکم سنجاق کی حیثیت سے آیا۔ اس زمانے میں سراجیو کا شہر ایک وسیع اور اہم مقام کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔

1580ء میں بوسنیا کی ایالت (سنجاق سے بڑی یونٹ) تشکیل دی گئی اور اس کا صدر مقام بنالوقہ مقرر ہوا جو سات سنجاقوں پر مشتمل تھا۔ ہرزیگووینا کا نام اسی صدی کے وسط سے شروع ہوتا ہے' جب ایکا میر نے اپنے دور کے شاہِ بوسنیا کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا اور اپنی خودمختاری کا اعلان کیا۔ بعد میں یہ علاقہ ہرزگ کی سرزمین (ہرزیگووینا) کہلانے لگا۔

جب ترکوں نے بوسنیا فتح کر لیا تو پھر انہوں نے یہاں اپنا معاشرتی اور تمدنی نظام بھی رائج کیا جو سختی سے ایک مرکزی حکومت اور ان کے عسکری اور جاگیرداری آئین پر مشتمل تھا۔ اس زمانے میں بوسنیا میں اسلام کی خوب ترویج و اشاعت ہوئی۔ اسلام کو تمام طبقوں' کسانوں' جاگیرداروں اور عام شہریوں میں بڑی سرعت کے ساتھ پھیلنے' فروغ و استحکام حاصل کرنے میں بڑی مدد ملی' اور چونکہ اُمرائے بوسنیا و ہرزیگووینا نے اکٹھے اسلام قبول کیا تھا' اس لیے انہیں اپنی جاگیریں بدستور برقرار رکھنے کی اجازت دے دی گئی۔ چرم سازی' زرگری اور اُن صنعتوں میں' جن کا تعلق عسکری ساز و سامان تیار کرنے اور شہریوں کی عام اشیائے صرف فراہم کرنے سے تھا' بہت زیادہ ترقی ہوئی۔ شہروں میں

مساجد، دینی مدرسے اور تکیے کثرت سے تعمیر ہوئے۔ نیز کتب خانے قائم ہوئے جو مسجدوں اور مدرسوں سے ملحق ہوتے تھے۔ الغرض یہ شہر ترکی ثقافت کے مرکز اور اسلام کے رکنِ رکین بن گئے۔

بوسنیا کے انتظامی ڈھانچے اور حدود نے اٹھارہویں صدی کے آغاز میں جو سنگین صورت اختیار کر لی تھی، اس صدی کے اواخر تک اس میں کوئی ردّ و بدل نہیں ہوا، لیکن اٹھارہویں صدی کے وسط میں ترکی کی نئی اصلاحات نے بوسنیا کے مسلمانوں میں سخت اشتعال پیدا کیا اور اس بناء پر شورشیں اور بغاوتیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ان بغاوتوں اور شورشوں کے ساتھ ساتھ انیسویں صدی کے وسط میں کسانوں کی باغیانہ شورش کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو گیا۔ 1875ء میں ایک بڑی بغاوت کا آغاز ہوا، جس میں عیسائی کسانوں کے پہلو بہ پہلو آغاؤں اور ان کے بیٹوں نے بھی حصہ لیا۔ اس بغاوت کے موقع پر یورپی ممالک نے، جو ہمیشہ ترکی کے خلاف اپنی پرانی دشمنی کا بدلہ اتارنے کے موقع کی تلاش میں رہتے تھے، مداخلت کر کے ترکی کے خلاف مخاصمانہ اقدامات کیے۔ بالآخر یورپی ممالک اور ترکی کے مابین ایک معاہدے کے تحت قرار پایا کہ ترکی بوسنیا و ہرزیگووینا کو مکمل خود مختاری دے گا۔

چنانچہ 1878ء میں روس اور ترکی کی دو سالہ جنگ کے خاتمے کے بعد بوسنیا اور ہرزیگووینا کو آسٹریا ہنگری سلطنت کی عمل داری میں دے دیا گیا۔ یہ دونوں صوبے اگرچہ سرکاری طور پر اب بھی سلطنت عثمانیہ کے حصہ تھے، لیکن 7/اکتوبر 1908ء کو ان کا باقاعدہ الحاق آسٹریا ہنگری سلطنت کے ساتھ کر دیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سربیا سے تعلقات میں کشیدگی پیدا ہو گئی جو عرصۂ دراز سے دونوں صوبوں کے حقِ ملکیت کا دعوے دار تھا۔ اسی کشیدگی کا نتیجہ تھا کہ 28/جون 1914ء کو ایک سرب قوم پرست جنونی نے آسٹریا کے بادشاہ ڈیوک فرانز فرڈی ننڈ کو قتل کر دیا۔ اس قتل کے نتیجے میں پہلی جنگ عظیم کا آغاز ہوا جو آئندہ چار سال 1918ء تک جاری رہی۔ جنگ کے خاتمے پر 26/اکتوبر 1918ء کو ایک نئی مملکت ''سرب، کروٹ اور سلوون مملکت'' کے نام سے بنائی گئی، جس کا نیا نام 1929ء میں ''یوگوسلاویہ'' رکھا گیا۔

جب دوسری جنگ عظیم کے دوران میں 1941ء میں جرمنی نے یوگوسلاویہ پر قبضہ کیا تو بوسنیا اور ہرزیگووینا کو کروٹیا کے حوالے کر دیا جو پہلے ہی جرمن نازیوں کے زیر تسلط تھا۔ بوسنیا اور ہرزیگووینا کے جاں بازوں نے، جن میں زیادہ تر مسلمان مجاہدین شامل تھے، نازیوں کی فسطائی فوج ''استاچی'' کے خلاف زبردست چھاپہ مار جنگ جاری رکھی۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد ایک نیا کمیونسٹ ملک ''یوگوسلاویہ'' مارشل ٹیٹو کی سرکردگی میں بنایا گیا اور بوسنیا و ہرزیگووینا کو اس نئے ملک میں شامل کر دیا گیا۔

1980ء۔ مارشل ٹیٹو کی وفات کے بعد جب آہنی پردہ ہٹا اور معلوم ہوا کہ یوگوسلاویہ سخت اقتصادی بحران میں مبتلا ہے اور نسلی فسادات زوروں پر ہیں تو یوگوسلاویہ کا شیرازہ بکھر گیا۔

1991ء۔ دسمبر میں بوسنیا و ہرزیگووینا نے یوگوسلاویہ سے آزادی اور خودمختاری کا اعلان کر دیا اور یورپی یونین سے اپنا اقتدارِ اعلیٰ تسلیم کروانے کا مطالبہ کیا۔

1992ء۔ مارچ کے ریفرنڈم میں بوسنیا و ہرزیگووینا کے عوام نے مکمل آزادی کے حق میں ووٹ دیا۔ صدر عزّت بیگووک نے آزادی کا اعلان کیا۔ یوگوسلاویہ کے دوسرے صوبوں کے برعکس یہاں کی صورتِ حال مختلف تھی۔ یہاں مسلمانوں کی آبادی تقریباً 50 فیصد تھی۔ سرب 30 فیصد اور کروٹ 17 فیصد تھے۔

ایک طرف تو مسلمانوں نے آزادی کا اعلان کر دیا' تو دوسری طرف سربیا اور کروٹ کے صدور نے خفیہ طور پر یہ مشترک منصوبہ بنا رکھا تھا کہ یوگوسلاویہ کے ختم ہونے کے بعد وہ بوسنیا کے حصے بخرے کر کے آپس میں بانٹ لیں گے۔ چنانچہ انہوں نے یوگوسلاویہ کی سرب فوج کی مدد سے بوسنیا ہرزیگووینا کے مسلمانوں پر جارحانہ کارروائی کی اور ان کا قتل عام شروع کر دیا۔ اگست 1992ء تک انہوں نے بوسنیا کا 60 فیصد سے زیادہ علاقہ فتح کر لیا تھا۔ بالآخر نیٹو (NATO) کی مداخلت شروع ہوئی۔ اور نیٹو کے طیاروں نے اگست اور ستمبر میں بوسنیا میں سربوں کے ٹھکانوں پر شدید بمباری کر کے انہیں فرار ہونے پر مجبور کر دیا' لیکن سرب فوجی فرار ہو کر یوگوسلاویہ واپس نہیں آئے' بلکہ وہ بوسنیا کے مختلف شہروں اور قصبوں میں گھس گئے جہاں انہوں نے ہزارہا مسلمانوں کا قتل عام کیا۔

1995ء۔ امریکہ نے اپنی ریاست اوہیو کے ایک شہر ڈیٹن کے مقام پر فریقین کے مابین ایک معاہدہ کرایا جو ''ڈیٹن معاہدہ'' کہلاتا ہے۔ اس معاہدے کے تحت ایک خودمختار مسلم کروٹ فیڈریشن بنائی گئی' جس میں سربوں کو بطور اقلیت تسلیم کر لیا گیا۔ اس معاہدے پر عمل درآمد کرانے کے لیے نیٹو کے ساٹھ ہزار فوجی تعینات کر دیے گئے۔

1996ء' ستمبر۔ ڈیٹن معاہدے کے تحت یہ بھی طے پایا تھا کہ تینوں نسلوں کی سہ رکنی صدارت بھی قائم ہوگی' جس میں ہر نسل کا منتخب لیڈر باری باری عہدۂ صدارت سنبھالے گا' لیکن عوامی انتخابات میں فتح حاصل کرنے کے بعد۔ چنانچہ ستمبر 1996ء کے انتخابات کے نتیجے میں مسلم بوسنہ لیڈر علیجاہ عزت بیگووک جیت گئے اور صدر مقرر ہو گئے۔

لیکن تین محارب نسلی گروپوں کا یہ زور زبردستی کا ''اتحادِ ثلاثہ'' کامیاب نہ ہو سکا۔ نسلی فسادات کا سلسلہ برابر جاری رہا اور امن وامان برقرار رکھنے والی مؤثر حکومت قائم نہ ہو سکی۔ سرب قوم پرستوں کا متعصب لیڈر راڈووان کاردزک مسلمانوں کا سخت دشمن ہونے کی وجہ سے ڈیٹن معاہدے کے بھی سخت خلاف تھا اور معاہدے کے نفاذ کے بعد اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے تھا۔ وہ نیٹو کی فوج کو پرکاہ کی اہمیت نہ دیتا تھا۔ تب نیٹو حکام نے سربوں کے خلاف ہزاروں مسلمانوں کے قتل عام اور ان کی اجتماعی قبریں بنانے کے الزام میں سخت اقدام کیا' اور ان میں سے بعض کو جنگی مجرم قرار دیا' جن میں اُن کا

لیڈر اور سابق صدر کا رد زک بھی شامل تھا۔ وہ فرار ہو گیا۔ نیٹو اور بالخصوص امریکہ کی سخت نگرانی کی وجہ سے نسلی فسادات اور خانہ جنگی ختم ہوئی۔

جنگ کے بعد کی ترجیحات میں پہلی ترجیح یہ تھی کہ دس لاکھ سے زیادہ مسلمان مہاجرین جو در بدر ہو کر دوسرے ملکوں میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے ہیں' ان کی بحالی کیونکر کی جائے؟ دوسری ترجیح یہ تھی کہ ایک مستحکم اور پائیدار حکومت کیونکر قائم کی جائے؟ امریکہ کے زیر اثر بین الاقوامی امدادی منصوبے کے تحت کروڑوں ڈالر کی امداد حاصل کی گئی' لیکن امداد کے ساتھ ساتھ افسروں کی مالی بدعنوانیوں کے معاملات کا بھی انکشاف ہوتا رہا' جس کے باعث بدنامی بھی بہت ہوئی۔

2001ء۔ اقوام متحدہ کے ایک ذیلی عدالتی ادارے ''انٹرنیشنل کریمنل ٹریبونل'' نے' جس کا صدر دفتر ہیگ' ہالینڈ میں ہے' 1994ء میں سابقہ یوگوسلاویہ کے جنگی مجرمین کے خلاف ایک مقدمہ دائر کر دیا تھا۔ 2001ء میں ایک سو سے زائد افراد کو جنگی مجرم قرار دے کر ان کے خلاف سزائیں سنائی گئیں۔ سرب جنرل راڈسلو کو 1995ء میں آٹھ ہزار بوسنی مسلمانوں کے قتل عام کا مجرم قرار دیا گیا۔ 1951ء سے اب تک' جب سے کہ یہ عدالت قائم ہوئی تھی' یہ قتل عام کا پہلا مقدمہ تھا جس میں سزا دی گئی تھی۔ 2001ء ہی میں سربیا کے سابق صدر سلوبوڈان میلوسویک کو بھی انسانیت کے خلاف سنگین جرائم کا سزاوار قرار دیا گیا۔

2002ء' جولائی میں دس سال کے بعد پہلی مرتبہ بوسنیا (جس میں ہرزیگووینا بھی شامل ہے)' کروٹیا اور یوگوسلاویہ کے صدور کی ملاقات ہوئی۔ ایک معاہدے کے تحت طے پایا کہ تینوں ممالک مل کر مہاجرین کی بحالی کے کام میں تعاون کریں گے' دہشت گردی کے خلاف جنگ میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور معاشی ترقی کے کاموں میں اشتراک کریں گے۔

2002ء' اکتوبر کے انتخابات میں سہ فریقی صدارت تین نسلی گروپوں میں منقسم تھی' یعنی جن کو باری باری منصب صدارت پر متمکن ہونا تھا: سربوں کا امیدوار ہرکو سیرووک' کروٹیوں کا امیدوار ڈریگن کووِک اور مسلمانوں کا امیدوار سلیمان تہک۔ انتخابات کے نتیجے میں عدنان ترزک وزیر اعظم مقرر ہوئے۔ سربوں کے امیدوار سیرووک ایوان صدر پہنچے' لیکن عراق کو ناجائز اسلحہ برآمد کرنے کے سکینڈل کے باعث انہیں اپریل 2003ء میں مستعفی ہونا پڑا۔ اس وقت سے اب تک کروٹیوں کے امیدوار ڈریگن کووِک صدر ہیں۔

یہ تو ہوئی یورپ کے کنارے پر واقع مسلم ملک بوسنیا کی مختصر تاریخ۔ یہ سوالات ابھی باقی ہیں کہ یہاں اسلام کیونکر پھیلا' اسلام قبول کرنے کے بعد نومسلموں نے اسلام سے اپنا وعدہ کیونکر نبھایا اور اپنا اسلامی تشخص کیونکر باقی رکھا؟

ان سوالوں کے جواب کے لیے ہمیں ''میثاق'' کے آئندہ شمارے تک جانا پڑے گا۔